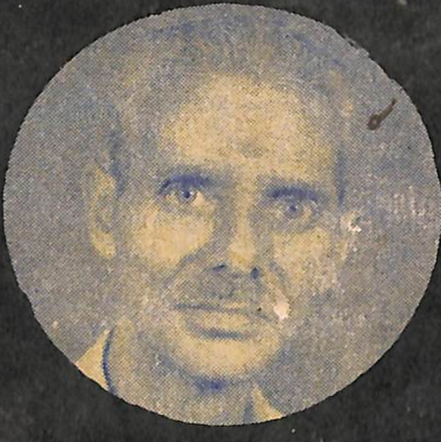
تجلیاتِ برق



مصنف
ڈاکٹر شیبا لال
برق



برقؔ کے جذباتِ رنگیں دل کے جلوہ بار ہیں
اہلِ دانش کے لئے ہدیہ دُرِ اشعار ہیں

تجلیاتِ برقؔ

مصنّف

ڈاکٹر جیا لال بھان برقؔ کشمیری

مہاراج بازار سرینگر کشمیر

مطبوعہ

شالیمار آرٹ پریس
سرینگر

طابع و ناشر

ڈاکٹر جیالال بھان برق کاشمیری

مقام اشاعت

مہاراج بازار امیراکدل

سرینگر کشمیر

خوشنویس : ایم احمد

تمہید

میری پیدائش اپریل ۱۹۱۶ء میں ویری ناگ کشمیر میں شریمتی راج رانی کے بطن سے ہوئی۔ میرے والد پنڈت گنیش داس بھان محکمہ جنگلات میں ملازم تھے۔ زندگی نے وفا نہ کی۔ والد صاحب اور والدہ محترمہ دونوں یکے بعد دیگرے رحمتِ حق ہو گئے بچپن کا سن تھا مجھے طوعاً و کرہاً سرینگر میں حصول تعلیم کے لئے اپنی بود و باش اختیار کرنا پڑی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر میں نے ڈاکٹری کا پیشہ اپنایا۔ جو کہ اس وقت بھی میرا ذریعہ معاش ہے۔

شعر و سخن کا آغاز ۱۹۳۶ء میں ہوا۔ بچپن ہی سے طالب علمی کے زمانے میں اس وقت کے شعراء کرام کے کلام سے بہت محظوظ ہوتا تھا۔ چنانچہ طبیعت پر سخندانی کا رنگ چڑھنے لگا یعنی وہاں کے شعراء کا کلام دیدۂ اشتیاق سے دیکھا کرتا تھا کیونکہ تک بندی کرنے اور سخن وروں اور سخن فہموں کے

کے میل جول سے کلام میں پختگی کی خاصیت رونما ہونے لگی۔ جذبۂ دل کسی اچھے استاد کا طلبگار رہا۔ ان دنوں جناب نندلال کول طالبؔ کاشمیری سری پرتاپ کالج سرینگر میں اردو اور فارسی کے پروفیسر تھے۔ اپنے کلام کی اصلاح ان سے کرانے لگا۔ اس طرح ان کے سایۂ تلمّذ میں مدت تک اپنی شاعری کو ایک من چاہے معیار تک پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔ ساتھ ہی مشاعروں کے ذوق و شوق نے میری شاعری کے پودے کی آبیاری کی۔ مقامی اور بیرونی اخباروں اور رسالوں میں میرا کلام چھپتا رہا۔ ڈاکٹری کا مصروف پیشہ کسی بھی صورت میں میری شاعری میں رکاوٹ نہ بن سکا۔ ہر مشاعرے میں جاتا تھا۔ اور دادِ سخن بڑے بڑے سخن وروں سے پاتا تھا۔ الغرض یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب نے بانگداز گل کھلائے۔ قدردان گردش دوران سے طوطا چشم بن گئے۔ ناقدر شناسی کے اس عالم نے شگفتۂ دل میں یال لایا۔ جس سے دل کچھ بجھ سا گیا۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء تک سخن سنجی سے ہاتھ کھینچنا پڑا۔ پھر ۱۹۶۷ء سے احباب کے اصرارِ بلیغ پر نئے سرے سے قلم کو ہاتھ میں لینا ہی پڑا۔

مجھے قومی شاعروں میں جناب برج نرائن چکبست کا کلام جو کہ قومی شاعری کی جان ہے۔ دل میں جاگزین ہوا تھا۔ اور اس کا اکثر مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ سب سے اہم بات جو تھی اور جس کی چھاپ اُس وقت میرے کلام اور دل و دماغ پر پڑی، وہ غالبؔ کا کلام تھا۔ میں بے ملا اور بلا مبالغہ یہ کہنے کی جسارت کرتا ہوں، کہ غالبؔ، غالب ہی تھا۔ وہ آج تک سب پر غالب رہا۔ اس کے کلام کی رنگینی، سوز و گداز، فلسفیانہ، نازک خیالی، تصوّف ولولہ انگیزی وغیرہ، یہ ساری خصوصیات میری شاعری کو پروان چڑھانے کا ایک مؤثر اور اہم ذریعہ بن گئیں۔

میرے کلام کا بہت سا حصّہ شائع ہو چکا ہے۔ اب جو کچھ باقی رہا ہے اس کو یکجا کر کے اہل دانش و بینش کے سامنے نذرً پیش کر رہا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

1.7.1982

احقر
برق کاشمیری

غزلیات

صفحہ سے تک

نظمیں

صفحہ سے تک

قطرۂ اشکِ تمنّا وقفِ نذرانہ رہے
خارِ مژگاں پہ دُرِ یکتا کا ہر دانہ رہے

بادۂ اُلفت سے ہو جاؤں حقیقت آشنا
میرے ہاتھوں میں اگر مینا و پیمانہ رہے

محویت سے ہی مجھے لافانیت حاصل ہوئی
دل کے پردوں میں مرے آباد بتخانہ رہے

باعمل ذوقِ تصوّف چارہ فرما ہے کہ دل
قدرتِ یزداں کے پرتو سے نہ ویرانہ رہے

بے پیئے سرخوش رہوں میں اک گھڑی بھی سامنے
جلوہ گر اُنکی اگر آنکھوں کا میخانہ رہے

بے طرح ہوگا جنونِ عشق سے وارفتہ جو
ایسے دیوانے کو کب آدابِ شاہانہ رہے

ختم تھیں محفل پہ سب فردوس کی رعنائیاں
اُس شبِ رنگین کا ہر دم یاد افسانہ رہے

مٹ گئی مے کی طلب اُن کے خمارِ چشم سے
محویت طاری ہوئی آباد میخانہ رہے

جوہرِ حسنِ ازل سا ہو نظارہ جب کہ پھر
پرتوِ جلوہ سے کس کو ذوقِ فرزانہ ہے
کر گئے تالیفِ اوراقِ محبت ہم کہ تا
جاوداں عشاق کا عالم میں افسانہ ہے
ہے نفا تر ٹھہر تا، آنکھوں سے خونِ دل مرا بس
ورنہ اُن کے واسطے کیا برق نذرانہ ہے

خوبیٔ قسمت سے جب وہ مہرباں ہو جائے گا
کروٹیں لے گی محبت، دل جواں ہو جائے گا
چار سو نظروں میں تصویرِ قیامت آئے گی
جب غمِ عشاق عالم پر عیاں ہو جائے گا
موجزن دل میں ہے حسن و عشق کی رنگینیاں
جذبۂ مہر و وفا محفوظِ جاں ہو جائے گا
اِک ادائے جلوہ سے ممنون کر مجھ کو کہ تا
میرا یہ صحرائے دل باغِ جناں ہو جائے گا
دل متاثر ہے ابھی بزمِ شبِ رنگین سے
ہم نے کب سمجھا تھا وہ پھر مہرباں ہو جائے گا
ہجر سے سایہ اجل کا یہ ہے پھیلا ہوا
کیسے دیوانے کو اب درمانِ جاں ہو جائے گا
پھوٹ پڑ جائیں گی کرنیں جب جمالِ حسن سے
جلوہ زارِ خلد یہ کون و مکاں ہو جائے گا

تیر برساؤ نہیں مجھ پہ نگاہِ ناز کے
ورنہ مرگِ ناگہانی کا سماں ہو جائیگا

برق کو ہے کس قدر شعر و سخن پر دسترس
آشنا آخر کسی دن یہ جہاں ہو جائیگا

محبت دل کی گہرائی میں وقفِ لامکاں رکھدی
فنا فی اللہ نے ہی میری حیاتِ جاوداں رکھدی

مری جمعیتِ خاطر کو چھینا عشوہ گر بن کر
پرائی چیز ہے واپس کرو تو نے جہاں رکھدی

مرا ہے دل جگر تیرے نشانے کیلئے حاضر
ذرا تو مشق کر مجھ پہ کہاں تیر و کماں رکھدی

رواں ہو جائیگا خونِ تمنا چشمِ بسمل سے
اگر تو نے محبت کی ادھوری داستاں رکھدی

عروسِ شادمانی غیر کی محفل میں رقصاں ہے
ہمارے واسطے حق نے فقط آہ و فغاں رکھدی

ادا ایسی تیری بن جاتی ہے منظر اک قیامت کا
نظر کیا کم تیری ہے ہاتھ میں پھر کیوں سناں رکھدی

کہاں رازِ و نیاز ان کا دلوں میں جاگزیں رہنا
ادا و دل کی بہاروں نے وجودِ داستاں رکھدی

نمونہ حشر کا بنتا ہے عالم جس سے حق نے بھی
بہ کس مقصد کی خاطر ہے بنی برقِ تپاں رکھدی

ہو گئی برپا قیامت جب وہ عریاں ہو گئے
صورتِ عنقا ہمارے دین و ایماں ہو گئے

حسنِ یکتا نے کسی کے کچھ نہ رکھا امتیاز
شیخ ہندو بن گئے ہندو مسلماں ہو گئے

دل کی گہرائی میں کب سے تھے پنپتے ولولے
رنگ پر آئی جو الفت وہ نمایاں ہو گئے

میرے دل کے داغ بھی کتنے نظر افروز ہیں
غیرتِ رنگِ چمن رشکِ گلستاں ہو گئے

عشق کا زہد و عبادت سے نہیں کچھ واسطہ
موت میں زاہد سے ہم دست و گریباں ہو گئے

پھر کہاں باقی رہی گنجائشِ آہ و فغاں
دل کے جب پردے ہی تصویرِ پرستاں ہو گئے

کر دیا خونِ تمنا آہ مایوسی نے پھر
چند قطرے آنسوؤں کے ایک طوفاں ہو گئے

منظرِ فردوس تھا وہ جلوۂ بزمِ طرب
چاہنے والے ترے مرہونِ احساں ہو گئے

برق کا لوٹوں کس طرح میں رات دن اُن سے سوا
چشمِ نظّارہ سے میری جب وُہ پنہاں ہو گئے

مجھے بزمِ طرب میں دِل کو بہلانا نہ آتا ہے
اُسے مہر و محبّت کا کہاں افسانہ آتا ہے
کروں کیا ترکِ مے مجھ کو بھی تو بچپنا ہے
ہیں اُڑتے ہاتھ کے طوطے کہ جب پیمانہ آتا ہے
نہ پوچھو حال دل کا جبکہ ان کے دستِ نازک سے
چھلکتا سا شرابِ ناب کا پیمانہ آتا ہے
سماتے ہیں نہ پھولے شوق سے آنکھیں بچھاتے ہیں
"وہ مستِ ناز جس دم جانبِ میخانہ آتا ہے"
طبیعت اپنی کرتے خوش ہیں ہم ان کے تصوّر سے
خیالِ روح افزا دِل میں لبِ ہاں کا نہ آتا ہے
فنا فی العشق ہو کر معرفت کی طے ہوئی منزل
کہ اپنا ہی مجھے دِل اب نظر بیگانہ آتا ہے

یہی کشمیر وہ ہے لوگ جس کے سارے زاہد تھے
مگر اب چپے چپے پر نظر مے خانہ آتا ہے
نہیں آتی سمجھ میں ماجرا یہ کیا ہے الفت کا
یہ نا ثیر ہوا کیا ہے ہر اک دیوانہ آتا ہے
نہیں اے برق کچھ ذوقِ طرب کی آرزو باقی
مجھے دنیائے فانی میں نظر ویرانہ آتا ہے

✤

یہ کس چرخ بریں سے فرش پر ماہِ تمام آیا
فضا سے جنتیں برسیں وہ جب بالائے بام آیا
بھلا بیٹھا تھا میں بزمِ طربؔ کی داستاں اپنی
مسرت چھا گئی مجھ پہ کہ پھر اُن کا پیام آیا
کہاں پرہیزگاری وہ رہی شیخ و برہمن کی
چلا کچھ بس نہ دل پہ دستِ نازک سے جو جام آیا
نہ پوچھو جب انہیں دیکھا کھلی ہی رہ گئیں آنکھیں
خطا کس کی تھی گر مجھ کو نہ اندازِ سلام آیا

سکونِ دل نہ کیوں ہوتا مُتاثر بزمِ رنگیں میں
قیامت آفریں جلوے سے جب مستِ خرام آیا
کہاں کی جُستجو باقی رہی پھر مردِ کامل کو
کہ جب دِل کے ہی پردوں میں نظر عالی مقام آیا
نہ جانے کھو گیا دِل کِس مسرّت خیز عالم میں
خُمار آلُودہ آنکھوں سے کہ جب اُن کا سلام آیا
تھی دل کش اِبتدا راہِ محبّت کی مگر آخر
اُڑے ہاتھوں کے طوطے پھر کہ جب مشکل مقام آیا
کنول دل کا کھِلے گا کس طرح اے برقؔ بیدل کو
کہ جب خابوں میں بھی بالکل نہ وقتِ التیام آیا

تا یہ کے شیدا رہوں گا حُسن کی تنویر کا
میں سمجھ سکتا نہیں ہوں راز اس تقدیر کا
اشک کے قطروں میں بھی ہے عکس زُلفِ یار کا
ٹوٹتا ہی ہے نہیں یہ سِلسِلہ زنجیر کا

پردہ داری طالب و مطلوب میں اچھی نہیں
گر بھرم کھل جائے گا اس پردۂ تصویر کا

عمر بھر آفات سے دستِ گریباں ہو رہا
رنگ کیا لائے گا جلوہ دیکھیے تقدیر کا

اشکِ حسرت سے امنگوں کے بجھاتا ہوں چراغ
بن رہا قائل ہمیشہ گردشِ تقدیر کا

دید سے ان کی کسی عالم میں کھو جاتا ہوں میں
یہ بھی اک جلوہ ہے افسونِ رخِ دلگیر کا

بیرخی درسِ فنا دینے لگی ہے بار بار
کس طرح یارب کروں [illegible] انتر کا

خود بہ خود ہی دل کو آجاتی ہے لغزش حسن سے
ہے خطا کس کی جو دل لوٹے جواں یا پیر کا

ہیں کسی کی یاد میں رہتا ہوں جس کی یاد بھی
مرہمِ زخمِ جگر ہے جزو ہے اکسیر کا

میں نے بھی دو چار دن دیکھی [illegible]ت کی بہار
اب میں جو پاہوں مرا ہے عالمِ تعبیر کا

نغمہ زن ہوتا نہیں اے برقؔ لیکن کیا کروں
جلوہ افگن شوق دل میں ہے حجت کشمیر کا

جاذب نظر اُس شوق کا اندام بہت ہے
گر ہے نگارِ عالم پہ بد نام بہت ہے
تیری خوشی کے واسطے پیتا ہوں ورنہ میں
عادی نہیں ہوں پینے کا اک جام بہت ہے
دنیا کے رنگ و راگ کی خواہش نہیں ہے کچھ
زاہد کو مفلسی میں ہی آرام بہت ہے
رکھتا نہیں ہے واسطہ زہرہ جبین سے
جس کو عزیز اپنا ننگ و نام بہت ہے
گذرے اگر ہیں بے شمار شعرائے نامور
غالبؔ کی شاعری کا مگر نام بہت ہے
دانہ نہ بنا نہیں دل خوار چاہیئے
تو عشق کیا کرے وہ خام بہت ہے

واقف ہے دہر تُم سے پر حیرت کی بات ہے
اے ہرق تُم کشمیر میں گمنام بہت ہے

اُن کے حُسنِ مائلِ صد ناز نے کیا کر دیا
میری چشمِ شوق کو دم بھر میں نیند آ کر دیا
کھو گیا ایسا کہ میں کچھ دلبرِ حُسنِ ناز سے
قیمتی دِل کو ہی نذرِ ماہ پارا کر دیا
راز میرے عشق کا اغیار پر کھلتا کہاں
میری ہی آشفتگی نے اس کو آفشا کر دیا
کلفتِ فُرقت سے عشرت بھی ہوئی وحشت طراز
جوشِ وحشت نے میرے گلشن کو صحرا کر دیا
تجربے کی داد دیتا ہوں کہ افسونِ سالِ نے
بادۂ شبنم کو گلِ رنگین کو مینا کر دیا
عشق میں بیتابیٔ دل کا ہی خمیازہ ہے
رازِ اُلفت نے مجھے عالم میں رُسوا کر دیا

ذرّہ ذرّہ سے عیاں تصویرِ شوقِ دید ہے
اُن کے اعجازِ محبّت نے اچنبھا کر دیا
آرزوئیں خون ہو کر بہہ چلیں حسرت میں جب
آہ نے سوزِ جگر میں داغ پیدا کر دیا
برق خونابہ جگر سے بے سبب ٹپکا نہیں
رشکِ گوہر عشق نے اشکوں کا رتبہ کر دیا

ابھی تو اس دلِ پُر سوز کی حسرت کہاں نکلی
کہ رنجِ جوشِ اُلفت کی مری عمرِ رواں نکلی
تجلی ماہ تاباں کی نہیں گھٹتی ہے تاروں سے
تری صورت کی تابانی حسینوں میں عیاں نکلی
عبث اُس بیوفا کو ہم نے تصویرِ وفا جانا
محبت رنگ بے لائی کہ آخر جاں ستاں نکلی
جو دلِ ناشاد ہو عالم نظر ناشاد آتا ہے
تمنا دل کی فرطِ غم سے سرگرمِ فغاں نکلی

حقیقت راز داری کی مری ہے منحصر دل پر
جو چیرا دل کو تعبیرِ طرب کی داستان نکلی

نشاطِ جاودانی جلوہ گر ہے بزمِ اُلفت میں
مری دنیائے اُلفت رشکِ دنیائے جناں نکلی

غمِ جاوید عالم کے لئے ہیں حسرتیں میری
مری آہِ تمنّا رونقِ برقِ تپاں نکلی

اک جھلک سے ہی دیارِ دل اُن کو یہ کیا راز ہے
کچھ خطا دل کی نہیں ہے حسن افسون ساز ہے

ہاں تصوّر اُن کا لے اُڑتا ہے اُس کو ہر کہیں
آدمی بے پر ہے گو لیکن بلند پرواز ہے

وہ تبسّم زیرِ لب اُن کا وہ دُزدیدہ نظر
اُن کے ہر انداز میں اک حشر کا انداز ہے

تیری محفل سے الگ میں ہو نہیں سکتا کبھی
گوشے گوشے میں جہاں کے تیری بزمِ ناز ہے

تیرے شوقِ گفتگو میں بول ہمہ تن گوش ہوں
جب کوئی بولا میں سمجھا یہ تیری آواز ہے
میں وہ دل لاؤں کہاں سے تاکہ آنکھیں چار ہوں
کیونکہ محشر آفریں اُن کی نگاہِ ناز ہے
عشق سے قائم ہے لطفِ زندگانی اے حبیب
یہ نہ ہو تو زندگی گویا شکستہ ساز ہے
دل کے نالے ان کے دردِ عشق سے پیدا ہوئے
وہ سمجھتے ہیں اسے یہ اِک صدائے ساز ہے
دُور ہونے پر وہ جتنے ان کو پاتا ہوں قریب
اِک خدا ہی جانتا ہے ہائے یہ کیا راز ہے۔

اُن کے حسنِ جلوہ زا نے مجھکو حیران کر دیا
ایک مشتِ خاک کو آئینہ ساماں کر دیا
اپنی قدرت سے بدل ڈالا نظام کائنات
ذرۂ ناچیز کو خورشیدِ تاباں کر دیا

میں یہ سمجھا مہر نکلا پردۂ ظلمات سے
زلف سے جب اُس نے چہرے کو نمایاں کر دیا

ہم تو ہم وہ خود ہی اپنے حسن پر شیدا ہوئے
آئینے کو جب کہ پیشِ روئے تاباں کر دیا

دیکھ لو اب میرے دل کے آئینے کی تم بہار
اپنے داغِ ہجر سے رشکِ گلستاں کر دیا

آج کل محتاج دل اپنا نہیں کچھ نور کا
بیخودوں نے داغِ حسرت سے چراغاں کر دیا

کچھ تو ہو گی بات تہہ میں ورنہ یہ کیا بیرخی
اپنا جلوہ چشمِ سودائی سے پنہاں کر دیا

قطرۂ خونِ جگر روشن تھا شامِ ہجر میں
جوشِ فرطِ عشق نے لعلِ بدخشاں کر دیا

کوششِ پیہم سے ذوقِ اشکِ دریا بار نے
شامِ فرقت میں ہویدا ایک طوفاں کر دیا

فرق مجھ کو یا نہ رکھا دل کے دینے سے ابھی
قدرتِ حق نے بڑا یہ مجھ پہ احساں کر دیا

ابتدا سے جو ہر تدبیر کو سمجھا تھا میں
مرد کاہن سے مگر تقدیر کو سمجھا تھا میں

ہجر کی راتوں کی گرد وادِ اَلم مجھ سے نہ پوچھ
باعثِ تسکینِ دل تصویر کو سمجھا تھا میں

جلوۂ راز و نیاز ہے صورتِ آبِ حیات
نو بہارِ تازگی تاثیر کو سمجھا تھا میں

صورتِ آہن بنایا دل کو میں نے پیشتر
نالہ و فریاد کی تاثیر کو سمجھا تھا میں

وہ نوازش بھی نئی طرزِ ستم ایجاد تھی
خط کے سرنامے سے ہی تحریر کو سمجھا تھا میں

محشرستانِ تمنّا دلِ اگر ہر سو لئے تھا
گردشِ ایّام کی تاثیر کو سمجھا تھا میں

دین و ایماں سے کہ جس کو ہے نہیں کچھ واسطہ
دیندار اُس مرتدِ خنزیر کو سمجھا تھا میں

اب نحوست ہند کی بیچارگی اے برق ہے
خلد سا پیارا وطن کشمیر کو سمجھا تھا میں ،

پناہ حسن نے خدا کی لی نہ ہی پر دیز ہے ساقی
مئے وحدت کا ہی پیمانہ نت لبریز ہے ساقی
وہ دن گذرے، مگر اب رہبر راہ الفت ہوں
میں پینا پی نہیں سکتا مجھے پرہیز ہے ساقی
نہ محتاج زبان درد محبت کا فسانہ ہے
کہ ہر تبسم دل عاشق حقیقت ریز ہے ساقی
گنوائی اپنی تہذیب کہن تقلید مغرب سے
نظر اس دور میں آتا ہر اک انگریز ہے ساقی
تمہاری بزم رنگین کا میں ہوں برسوں سے شیدائی
شراب ناب کا پیمانہ دل آویز ہے ساقی
نگاہ ناز دل کو چیرتی ہے صورت ناوک
مگر پھر بھی وہ نظارہ طرب انگیز ہے ساقی
بڑی کاوش سے پالا میں نے نخل درد الفت کو
مرا داغ جگر آئینہ گلریز ہے ساقی
سمجھنے سے ہیں ہم قاصر یہ نیرنگ خدا کیا ہے
"دگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی"

نہ پوچھو دردِ دل کا ماجرا حالِ زبوں دیکھو
مری چشمِ تمنّا بے طرح خون ریز ہے ساقی
پلا دے مجھ کو ایسا کچھ رہوں میں بیخبر خود سے
قدم ہر راہِ اُلفت کا قیامت خیز ہے ساقی
جہیز و رسمِ بد کے خرمنوں پر برق گر جائے
کہ تصویرِ وطن ہر سو الم انگیز ہے ساقی

اُن کی فرقت میں مرے اشکوں کا طوفان دیکھئے
صورتِ ابرِ بہاری چشمِ گریاں دیکھئے
داغہائے دِل تجلّی ریز ایسے ہیں مرے
چرخ پر ہیں جس طرح انجم درخشاں دیکھئے
مرے دِل کی راحتیں وحشت کا ساماں ہو گئیں
صورتِ گیسو مجھے ہر دم پریشان دیکھئے
عشرتیں بزمِ طرب کی ساری عنقا ہو گئیں
اب دلِ دیوانہ کو آئینہ حیران دیکھئے

حُسن نے وہ رنگ لایا عشق خود حیران ہے
تھام کر اپنا جگر جلوؤں کا طوفان دیکھئے

پرتوِ اُلفت سے رتبہ خونِ حسرت کو ملا
خارِ مژگاں پر مرے لعلِ بدخشان دیکھئے

لٹ گیا جب قیمتی دل اور کیا باقی رہا
دیدۂ حسرت سے اب خوابِ پریشان دیکھئے

مہر و مہ روشن ہیں اُن کے حسن کی تنویر سے
ان کی تابانی سے دو عالم کو تابان دیکھئے

طے ہوئی ہے منزلِ اُلفت اگر باور نہیں
دل کو میرے چیر کر تصویرِ جانان دیکھئے

دیکھئے نیرنگیاں کیا کیا دکھاتا ہے جہاں
ابرِ گریاں مجھ کو انکو برقِ خنداں دیکھئے

کبھی زاہد کو گر مرغوب وہ رشکِ قمر ہوتا
تو اس پر بے گماں سحرِ تبسم کارگر ہوتا

شعارِ سادگی نے رنگ لایا بیقراری کا
تجو سج درھج کے نکلتے روزِ محشر جلوہ گر ہوتا

یہ ناممکن ہے عالم پر عیاں رازِ نہاں کر دوں
میں کہتا حالِ دل اُس کو کوئی ہمدم اگر ہوتا

گھڑی بھر بھی تیرا دل اگر دلِ عشاق بن جاتا
ہمارا پھر نہ یوں نخلِ محبت بے ثمر ہوتا

نہ زحمت ہجر کی سہنا تہ رسوائے جہاں ہوتا
اگر مہر و وفا کی کشمکش سے با خبر ہوتا

نہیں پھولے سماتا میں حیاتِ جاوداں ملتی
تصور سے مرے دل میں اگر وہ جلوہ گر ہوتا

جو برساتے نگاہِ ناز کے ناوک تو دم بھر میں
یقیناً عالمِ دل بے طرح زیر و زبر ہوتا

جنوں میں بھا دل رہا محفوظ اشکوں کے تلاطم سے
مرا ہر زخمِ دل کا ورنہ تصویرِ شرر ہوتا

جنونِ عشق نے ہے رنگ لاابالے نیازی کا
نہیں تو قانۂ دیوانہ میں بھی بام و در ہوتا

بجز نفرت اگر شعراء خلوصِ دل کو اپناتے
تو ان پر ہر ترقی کے رنگین نغموں کا اثر ہوتا

اک نئی دنیا محبت کی بنانے جائیں گے
دل ملانے جائیں گے آنکھیں لگانے جائیں گے

تیرے طالب کو ابھی تک یاد ہے رازِ دنیا تو
بھول ہی سکتے نہیں کیسے بھلانے جائیں گے

بے رخی سے لازمی ہے دل کا بننا غمکدہ
کس کو رودادِ غمِ ہجراں سنانے جائیں گے

الجھنیں راہِ محبت میں اگر ہیں بے شمار
ہم بھی اپنے حوصلے کو آزمانے جائیں گے

دسترس اس میں ہے کامل عمر بھر کا ہے شعار
غیر کو دم بھر میں اپنا ہم بنانے جائیں گے

اُس کی آمد ہے کہ تھا بر سُوں سے جس کا انتظار
کیوں نہ راہِ عشق میں آنکھیں بچھائے جائیں گے
میں زباں سے شکوۂ فُرقت کروں گا ہی نہیں
دیدۂ ارماں مگر آنسو بہائے جائیں گے
لاکھ افسانے مراتب ہیں کتابِ عشق میں
کوئی سامع ہو تو ہم اُس کو سنانے جائیں گے
ہے بلائے جان حُسن و عشق کی رنگینیاں
عاشقی سے بُرق ہم دامن بچائے جائیں گے

نشاطِ خلد ہے رقصاں وطن کے خارزاروں
عروسِ فطرت کا حِلہ ہے عُریاں نو بہاروں میں
نہیں عہدِ وفائے مُلک سے برگشتہ خاطر ہیں
ابھی جذبہ تغیّر کا ہے باقی جانثاروں میں
ہماری آرزوؤں کا چمن شاداب ہو نہ
بسر ہوتے اگر روز و شباب بیگنیں بہاروں میں

ازل سے متجلّی یہ ہیں جہاں میں نورِ یزداں سے
تجلّی ہے کہاں اپنی قمر، خورشید، تاروں میں
کسی کی یاد باعث بن گیا ہے چشمِ پُر نم کا
مرے ہی آنسوؤں سے ہے روانی آبشاروں میں
زماں بدلا، زمیں بدلی، رواجات کُہن بدلے
اسی سے اب تلاطم ہے بپا سرمایہ داروں میں
نہ دل سے رہ مرہُون ان کا برق محفل میں
مجھے سمجھا دیا سب کچھ اشاروں ہی اشاروں میں

مرے ہم وصل کے لوٹیں گے پیری میں جواں ہو کر
نشانے پر لگے گا تیر خم اپنی کماں ہو کر
مثالِ کوہکن میں بھی مٹا دوں نقشِ ہستی کو
کہ باقی نام رہ جائے مرا اک داستاں ہو کر
نئے انداز سے آہ و فغاں کرتے ہیں ہم اپنی
کہ ہیں موسوں نے عالم عشق میں کہیں بے زباں ہو کر

میں ہوں وہ تیرہ قسمت جستجوئے یار میں یارب
کہ چبھ جائے نہ کانٹا دشت کا نوکِ سناں ہو کر

نئے انداز سے چھایا ہوا ابرِ محبّت ہے
زمینِ عشق پر آتا نظر ہے آسماں ہو کر

زوالِ بوئے گل کو دیکھ کر مجھ کو یہ کھٹکا ہے
بہارِ عشق مٹ جائے نہ معروفِ خزاں ہو کر

ابھی تو عشق کے مکتب میں درسِ عشق لینا ہو
خدا جانے مرے کس کام آئے کا جواں ہو کر

کیا قابو دلِ مضطر کو تیری زلفِ مشکیں نے
جکڑ رکھا ہے اس نے مجھ کو زنجیرِ گراں ہو کر

بہت بے آبرو ہو کر تلاشِ یار میں نکلے
نظر آتے نہیں ہیں برق ہم کو وہ نہاں ہو کر

مرا خونِ جگر کیا رنگ لایا چشمِ گریاں پر
بہارِ لالہ و گل آرہی ہے خارِ مژگاں پر

کہاں کا ان سے ملنا وہ کہاں کی گفتگو یا رب
نظر بھی جم نہیں سکتی ہے اُن کے رُخِ تاباں پر

ہجوم یاس و سوزِ آتشِ فرقت غمِ دلبر
کسی کو کیا خبر کیا کیا گذرتی ہے مری جاں پر

نگاہِ شوق کو ہے جستجوئے جلوہ جانانہ
نظر اُٹھتی بھی ہے میری کبھی تو ماہ تاباں پر

دلِ نازک بہت مغموم ہے داغِ تمنا سے
تلاطم بحرِ غم میں ہے تو طوفان چشمِ گریاں پر

جنازہ آدمیت کا ہے نکلا بے طرح کب سے
نہیں سبقت ابھی تک لی ہے کچھ انساں نے حیواں پر

مرے اشکوں کو ان کے عشق نے وہ مرتبہ بخشا
کہ پاتا ہوں دُرِ نایاب اپنے نوکِ مژگاں پر

کہاں ہر رستم اپنے ہے رہتا قول پر قائم
نہ آنے حرف دیتا ہے کوئی اک دین و ایماں پر

ہوا یہ کیا چلن بگڑا ہمارے نوجوانوں کا
فرشتے ناز کرتے تھے ہمیشہ عقلِ انساں پر
خلش سے تنگئ دل کی نہ ہو ناہوں کبھی مغموم
برابر ہے خلوصِ دل مجھے ہندو مسلماں پر
بہ رنگِ خون جو ٹپکے اشک تو ہیں یہی لگا دیں اکٹھا
ہے کیونکر چھا گیا عالم پہ گلشن سا گریباں پر
قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اگر وہ مسکراتے ہیں
ہزاروں جان سے جاتے ہیں ان کے برقِ خنداں پر

دل دیا لیکن یہ بربادی کا ساماں ہو گیا
عشق کی مجبوریوں سے میں پریشاں ہو گیا
حسن وہ اور حسن جس پر لاکھ جانے ہوں نثار
دم زدن میں گم مرا وہ راحتِ جاں ہو گیا
ترس کھایا مہرباں ہو کر جو حالِ زار پہ
شکر ہے اے چارہ گر جینے کا ساماں ہو گیا

ٹھہر سکتی آنکھ کس کی اُن کے تابِ حسن پر
کوئی حیران ہو گیا، کوئی پریشان ہو گیا

محفلِ اغیار میں اُن کو جو میرا پاس تھا
ہر کوئی محفل میں میرا دشمنِ جاں ہو گیا

میری جانب کنکھیوں سے دیکھنا وہ وائے دِل
یہ کرم اُن کا پریشانی کا سامان ہو گیا

اہلِ دِل کو ہی مرا احساسِ دردِ عشق ہے
دم بدم دِل میں مرے یہ عشق سوزاں ہو گیا

اے دِلِ نازک سنبھل اے عاشقِ نو بے دل نہ بن
گر تری چشمِ نظارہ سے وہ پنہاں ہو گیا

اُن کی بے مہری سے میرا دل بنا تھا غمکدہ
اُن کا ہنسنا تھا کہ تازہ پھر گلستاں ہو گیا

ماجرا اے برقؔ یہ کیا ہے جہانِ عشق میں
دِل دیا پھر دِل کے جانے پہ پشیماں ہو گیا

کیا کہوں گزری ہے کیا کیا انتظارِ یار میں
زحمتیں کتنی اٹھائیں حسرتِ دیدار میں
دن تو کٹتا ہے امیدِ آمدِ دلدار میں
رات کٹ جاتی ہے فرقت کے غم و آزار میں
باعثِ افسردگی پیہم ہے داغوں کی بہار
گو میں بہلا دوں طبیعت کو کبھی گلزار میں
ہے زبان و دل جیسے اک ہے وہی حال سے عزیز
پے بہ پا کردار ہونا چاہیئے سرکار میں
رائیگاں ہونگی دعائیں جب نہ ہو دل کا خلوص
کیسے شنوائی تری ہوگی بڑے دربار میں
لٹ گیا گھربار اک کا، دوسرا مارا گیا
بس یہی ہوتا ہے شائع آجکل اخبار میں
اک کشاکش میں بسر ہوتی ہے اب تو زندگی
آرزو کیا کیا مچلتی ہیں دلِ نادار میں
کیا سناؤں برق دردِ عشق کا قصہ تمہیں
دل کا جو عالم ہے وہ آتا نہیں اظہار میں

روز و شب، شام و سحر مجھکو خیالِ یار ہے
پھر غلط کیا ہے کہ اُن کی حسرتِ دیدار ہے
خواب میں دیدار اُن کا ہو گیا دم بھر نصیب
بادۂ نظارہ سے بیخود ابھی سرشار ہے
دیکھئے نیرنگِ اُلفت کا تماشا دیکھئے
داغِ دل، سوزِ محبت کا علمبردار ہے
امتیازِ مذہب و ملت نہیں ہوتا یہاں
عشق کی دنیا میں ہر اک بندۂ دلدار ہے
مرکزِ آشفتگی ہے بے شبہ مخدوم دیدہ
نالۂ دل بے طرح صد رنگ حسرت بار ہے
یہ وہ دنیا ہے کہ جس کی انتہا ہوتی نہیں
یہ وہ گلشن ہے ہمیشہ جو یہاں گلبار ہے
کیا سمجھ کے دے دیا اے برق تم نے دل اُسے
سوچ آخر کیا کوئی اس دہر میں دلدار ہے

رُخِ رنگیں کا اشکوں سے بہ گوہر بار ہو جانا
نہیں حیرت ہے پانی کا جواب نا رہو جانا

نہ ساقی ہو کوئی آئے پریشانی نظر ہر سو
یہی ہے آدمی کا روز بد میں خوار ہو جانا

نہیں ہے رُو در کے جھگڑے سے عاشق کیلئے کچھ کم
ذرا سی بات پر محبوب سے تکرار ہو جانا

تلاشِ یار میں عالم کی چھانی خاک متواتر
بہت دشوار ہے اس بحرِ غم سے پار ہو جانا

چھپاؤں میں کہاں تک اپنے اس دردِ محبت کو
مری عزت کا ذریعہ ہے تلاشِ یار ہو جانا

نہیں میں چاہتا ہوں ترک جاؤں سوئے میخانہ
نہیں آتا مجھے ہرگز ذلیل و خوار ہو جانا

یہ دُنیا مجھکو تصویرِ جہاں معلوم ہوتی ہے
کہ سب رعنائی قدرت عیاں معلوم ہوتی ہے

بڑا دشوار ہے ہونا شناسا دل کے عالم کا
کسی کی آرزو کس کو کہاں معلوم ہوتی ہے

سوا چشمِ بصیرت کے کبھی دُنیا کے بینۂ دل کو
حقیقت میرے جینے کی کہاں معلوم ہوتی ہے

تجمّل ہے مرا مانوس ہل چل کی ہواؤں سے
مری فطرت کہ ہمرنگِ تریاں معلوم ہوتی ہے

بہارِ خلد رقصاں ہو اگر ہر اک خیاباں میں
دلِ غمگین کو تصویرِ خزاں معلوم ہوتی ہے

عنایت یہ بھی کیا کم ہے کہ دیوانوں کو اک اک
تبسّم کی جھلک تسکینِ جاں معلوم ہوتی ہے

نہیں کچھ امتیازِ حق و باطل ہے حوادث سے
ہمیں موجِ صبا برقِ تپاں معلوم ہوتی ہے

ہمارے ولولے نسل کے نہیں وہم و گماں ہونگے
لفافظ نشاں کی لڑیاں کیسی دل کھکشاں ہونگے
کریں دو چار دن سیر چمن زار جہاں کی ہم
خدا جانے سفر میں زندگی کے کل کہاں ہونگے
دہرائے گا زمانہ ہی مرا افسانہ ما حتی گا
سخن دانی کے جلوے ایک عالم پر عیاں ہونگے
حقیقت میں الم سے میں ہمیں آثار پیری کے
ہم آغوش عروس شادمانی سے جواں ہونگے
نکلتا پھوٹ کر آب رواں جوں سنگ خارا سے
محبت کے بھی افسانے مخارج بیاں ہونگے
جبھی کیف ابرو سے اہل خامہ زندگانی میں
کہ بعد مرگ ہر اک کی زباں پر داستاں ہونگے
ابھرنے کا کہاں موقع ملیگا جب کہ بے دل کو
خیالات پریشاں گر رگ جاں میں نہاں ہونگے
چلیں گے گر نہیں اہل جہاں راہ منافقت پر
اعمال ناروا اپنے ہی پھر تیغ و سناں ہونگے

میں وہ بیمار ہوں جس کا کوئی غمخوار نہیں
میری فطرت ہی تو منت کشِ اغیار نہیں

حسن خود عشق کا طالب ہے نمایاں ہو کر
یہ وہ سودا ہے جسے فکرِ خریدار نہیں

ہے انہیں غیر سے اخلاص و محبت ہر دم
اور میں ہوں کہ وہ شرمندۂ دیدار نہیں

گردشِ چرخ کے تابع ہے نظامِ دنیا
کون اس قانونِ قدرت سے خبردار نہیں

سب تمام دہر میں عریاں نکلتے آخر
کون کس منہ سے کہے گا میں گنہگار نہیں

یہ تو نیرنگِ فسوں گر ہے تماشا سارا
کہ انہیں پاسِ وفا ہے مجھے اقرار نہیں

حسن، الفت کی حقیقت سے تہی ہے میرا
جذبِ دل حسنِ مجازی کا طلبگار نہیں

ہر قدم کی آتی طبیعت جو بتوں پر تو کیا
عاشقی شیوہ نہیں میرا مجھے انکار نہیں

نظروں سے پیار کی مجھے دیکھا نہ کیجئے
محشر جہانِ قلب میں برپا نہ کیجئے

دِل کھو گیا ہے اِک تری نگاہِ مست سے
کچھ اور بیدلوں سے تقاضا نہ کیجئے

جس میں ہے غیر فانی ضیا جلوہ گر کہ اس
دِل کو جمالِ دہر پہ شیدا نہ کیجئے

سینچا ہے حسن کو مہر کے آبِ حیات سے
گلزارِ آرزو کو اب صحرا نہ کیجئے

رہنے دو اپنے حال پر اے رحمتِ خدا
بیمارِ عشق کو کبھی اچھا نہ کیجئے

مانوس ہی سرمایۂ ہستی ہے یقیناً
کس نے کہا ہے غیر سے پردہ نہ کیجئے

معبود کو ہمیشہ اِلتجا ہے برق کی
دِل کے کنول میں جلوے کو اِخفا نہ کیجئے

اُن کی نگاہِ تاب سے کیا کیا نہ جل گیا
جام و سبو، شراب سب میخانہ جل گیا

وہ دل کہاں سے لاؤں میں جو ذکر پھر کرے
سوزِ فراق سے دلِ دیوانہ جل گیا

حظ کوش رہوں کیسے نشاطِ حیات کا
راز و نیاز کا مرا افسانہ جل گیا

ہے اضطراب اب کہاں معبد کو بنالوں
سوزِ فغاں سے دل کا صنم خانہ جل گیا

نیرنگیٔ زمانہ نے کیا گل کھلا دیا
جینے کا جو سہارا تھا کاشانہ جل گیا

دھبہ رہے گا بے طرح روئے جہاں پر
گو طالب و مطلوب کا افسانہ جل گیا

عالم میں پھیلی چار سو ذوقِ طرب کی آگ
اس آگ میں دیوانہ و فرزانہ جل گیا

قسمت میں مے نہ تھی کہ تقاضائے تشنہ دل
چھوتے ہی میرے ہاتھ سے پیمانہ جل گیا

جلوہ تھا اُن کا رُو کشِ برقِ تپاں کہ دِل
اِک ہی جھلک سے صورتِ پروانہ جل گیا

گئے دُنیا سے بہت ناز اُٹھانے والے
وائے تقدیر یہ ہے دِل کے ستانے والے
اپنی ہستی کو مٹانے میں نہ کرتے ہیں دریغ
ایسے ہوتے ہیں یہاں دِل کے گنوانے والے
وہ محبت کا فریب فرمانے میں ہم کو تم سے
ہم نے دیکھے ہیں بہت آنکھ لڑانے والے
اے ستمگر ترے گردابِ غمِ فرقت میں
تا بہ کے زندہ رہیں آنکھ لڑانے والے
جلوہ فردوسِ نظر کا ہے پیارا اتنا
کہ ہوئے خانۂ دِل کو ہیں بسانے والے
کیسے طاقت ہے ترا تارِ محبت توڑ دے
تیرے شیدائی ہیں اجل کو بھی بھگانے والے

میں ہوں غمگین کہ ہے برق فراقِ دلبر
اُٹھ گئے دُنیا سے آنکھوں پہ بٹھانے والے

میں تجھے حالِ محبت کا سنا ہی نہ سکا
حسرت و یاس کے زخموں کو دکھا ہی نہ سکا
یاد رہتی ہے شب و روز سنگمہ تیری
ہائے میں بھول کے بھی تجھ کو بھلا ہی نہ سکا
کیا کہوں غیر کے آگے یہ بیاں ٹھیک نہیں
میں ترے جوشِ محبت کو دبا ہی نہ سکا
مجھے کیا علم تھا آئیگا تغیر اک دم
دل ملا تھا کہ لبیبے کو ملا ہی نہ سکا
دل دیا تھا تجھے اے موہنی صورت والے
بیاس دل کی میں بجھا تا کہ بجھا ہی نہ سکا
دل کی آنکھیں جو تجھے دیکھنے والی نکلیں
پھر غلط کیا ہے کہ در پر تیرے آ ہی نہ سکا

دل کی آہیں ہی مری حاصلِ ارماں نکلیں
ہائے میں روٹھے ہوئے دل کو منا ہی نہ سکا
رات دن برق جو رہتا تھا حسینوں کے ساتھ
تو بھی اِک جامِ محبت وہ پیا ہی نہ سکا

محبت میں گر تو گرفتار ہو گا
شب و روز ہی تجھ کو آزار ہو گا
نہ رکھ واسطہ اُس سے اے دل سمجھ لے
زمانہ ہے دشمن عدو یار ہو گا
ترے در پہ حسرت زدہ مر مٹا ہے
کہ مدفن مگر کوئے دلدار ہو گا
ہے مہرباں وہ تو داغِ تمنا
مرے حق میں جنت کا گلزار ہو گا

بہارِ محبت میں تاثیر یہ ہے
کہ ہر خارِ صحرا ابھی گلبار ہوگا

مری آرزو بر نہ آئے تو دم میں
مرا داغِ حسرت شرر بار ہوگا

سکون اُس کے دل کو رہیگا ہمیشہ
جسے تیرا دیدار ہر بار ہوگا

کوئی وقت اے برق ہوگا جہاں میں
نہ غمخوار ہوگا نہ بیمار ہوگا

تیرے سودائی کو کب یادِ خدا آتی ہے
بے خبر رہتا ہے جبتک کہ قضا آتی ہے

داغِ فُرقت سے بنا رشکِ چمن ہے یہ دل
اپنی پھولوں سے مرے بوئے وفا آتی ہے

اے جفا کار تجھے درسِ جفا آتا ہے
تیرے طالب کو مگر رسمِ وفا آتی ہے

اُن کی فرقت میں کبھی ہوتا ہوں بیخود میں جب
کرنے بیدار مجھے بادِ صبا آتی ہے

کرتا ہے دیر و حرم کو وہ فراموش کہ خود
باغِ عالم میں جسے یادِ فنا آتی ہے

دِل ہو حظ کوشِ جہاں، اور نہیں گے عابد
زاہدوں کو بھی ایسے جینے سے حیا آتی ہے

یہ غنی ہمدرد نہیں ملتا ہے اس عالم میں
مہربانوں سے بھی یاں بوئے جفا آتی ہے

تیرہ بختی میں کوئی یار نہیں ہوتا ہے
سچ ہے خالق بھی طرفدار نہیں ہوتا ہے

شادمانی سے بغلگیر رہوں گا کیونکر
ان کا دیدار بھی اک بار نہیں ہوتا ہے

دل لگاتا نہ ہے بنا مدت سے ان کے یارب
یہ وہ ناوک ہے جو بیکار نہیں ہوتا ہے

چاہیے حسن صفیا پاش کو رنگینی ناز
پھول وہ کیا ہے جو رنگدار نہیں ہوتا ہے

ہم ہیں آزار محبت سے گرفتار الم
وائے حسرت کوئی غمخوار نہیں ہوتا ہے

ہم محبت نہ کریں ہرق کسی سے کیونکر
عاقبت میں کوئی دلدار نہیں ہوتا ہے

علاجِ اضطرابِ قلبِ دلبر ہو نہیں سکتا
کبھی تجھ بن ترا غمخوار جال یہ ہو نہیں سکتا

مرے غم خیز نالوں کا مزا بہ جا تلے ہے دل
مگر دل پہ اثر تیرے ستمگر ہو نہیں سکتا

محبت بوالہوا اس کی اصلیت سے دُور ہوتی ہے
کبھی جیسے اشک نزحا فشی کا گوہر ہو نہیں سکتا

نہ کیوں حاضر رہوں در پہ اگر ہو مدعا تیرا
تیرا کوچہ کبھی لیکن مرا گھر ہو نہیں سکتا

کہا یہ میں نے ماہِ عید اے دلبر ہو تم
مرا دردِ جگر اس سے تو کمتر ہو نہیں سکتا

ہما کی ہمسری کب زاغ کر سکتا ہے دنیے میں
کہ سا کا نشادشت کا ہرگز نہ گلِ تر ہو نہیں سکتا

دُرخشاں بہ حق اس ماہ لِقا کا جلوہ اتنا ہے
قمر خورشید بھی اُن کے برابر ہو نہیں سکتا

چھپا کے ہم سے صورت اپنی وہ بیدار کرتے ہیں
یہ وہ بیداد ہے جس کی سبھی فریاد کرتے ہیں

امیدیں کس طرح بر آئیں گی جب وہ بت کافر
سکونِ دل کو وہ دائم مرے برباد کرتے ہیں

شبِ غم میں تصور ہے محبت کا عداوت کا
انہیں میں یاد کرتا ہوں مجھے وہ یاد کرتے ہیں

اذیت ہو تو ہو اور دل کو فرقت میں تری لیکن
تصور سے ترے ہم اپنے دل کو شاد کرتے ہیں

لبِ خاموش میں نا آشنائے شکوہ اب اپنے
ستم کش ہوں تو مجھ پر وہ نئی بیداد کرتے ہیں

کوئی اے برق آڑے وقت میں ساتھی نہیں ہوتا
کہ یاسمت بھی سختی میں خدا کو یاد کرتے ہیں

دلِ بیتاب کو پارب میں سمجھاتا رہوں کب تک

خیالِ یار سے اس کو میں بہلاتا رہوں کب تک
ترے موہوم وعدوں سے تسلی ہو نہیں سکتی

یہ داغِ سبز مرغِ دل کو دکھلاتا رہوں کب تک
مرے ایامِ جوبن کے بڑی حسرت میں کٹتے ہیں

دلِ بسمل کو ترے غم میں ترساتا رہوں کب تک
مرے آنسو کسی کے سوزِ الفت کا نتیجہ ہیں

یہ اشکِ داغِ حسرت اور برساتا رہوں کب تک
تصور سے ان کے دل کو کب تک شادماں رکھوں

میں ان کے کوچۂ الفت میں گرماتا رہوں کب تک
نہیں کچھ کم ہے تیری بے رخی برقِ قیامت سے

میں اس جانِ حزیں کو اپنی تڑپاتا رہوں کب تک

کرو راز و نیاز اتنا کہ دل حظ کوش ہو جائے
مے الفت نہ پی اتنی کہ تو بے ہوش ہو جائے

رخ مے گوں کے جلوے سے فضا مے بار ہوتی ہے
اچنبھا ہے نہیں بیدل اگر مدہوش ہو جائے

پھلا پھولا بڑی کاوش سے ارمانوں کا گلشن ہے
قیامت کیا ہے گر محبوب ہم آغوش ہو جائے

ہوس باقی ہی رہ جاتی تسلی ہو نہیں سکتی
جہاں کی نعمتوں سے گر بشر حظ کوش ہو جائے

ازل سے ہی ہے مستی جلوہ گر شاعر کی فطرت میں
نہیں مجبور ہے شاعر کہ وہ مے نوش ہو جائے

فضائے دہر ہو گی اک قیامت کا نمونہ پھر
رگ جاں میں اگر خون برق کا بے ہوش ہو جائے

جی نہیں لگتا ہے پھولوں کی بہاروں میں بھی مجھے
کہ طبیعت اس اکیلے پن سے گھبرائی ہے
ایک دم ہو گئے کافور رنج و غم جیسے
دل کی محفل میں مسرت کی پری آئی ہے
منزل عشاق میں کیسے نہ مچے گی ہل چل
جلوہ گر حسن ضیا پاش کی رعنائی ہے
نظر فطرت ہے غنچے کا جو وا ہو جاتا
ہم نے سمجھا تھا کسی حور کی انگڑائی ہے
جس کا جو یا تھا ہمیشہ دل کی راحت کی جھلک
عشق کی دنیا میں مجھ کو وہ نظر آئی ہے
کس لئے غیر کی چھاتی پہ بھرا سانپ اگر
برق نے اپنی طبیعت ان سے بہلائی ہے

میرے جذبات کو اے شوق نمایاں کر دے
دلِ عشاق کو آئینۂ ساماں کر دے

پھر کسی کے حسنِ دل سوز کا آ جائے خیال
پھر مرا جوشِ جنوں چاکِ گریباں کر دے

گر اٹھے موجِ طرب پھر دلِ حسرت زدہ میں
یک بہ یک داغِ جگر وقفِ نمکداں کر دے

رہروِ منزلِ آزارِ محبت ہوں میں
مرے مولا مری مشکل کو تو آساں کر دے

بے رخی سے اُن کی اے دشت نوردی تو بھی
دلِ ویران کو میرے اور بھی ویراں کر دے

میں بھی جانوں کہ تجھے پاسِ وفا ہے میرا
اپنے دیدار کا اک بار جو احساں کر دے

داغِ دل کی اُن کی محفل میں رہے کچھ عزت
اے مرے سوزِ دروں نور و چراغاں کر دے

کیا بگڑ جائے گا اس میں ترا اے شوخ اگر
مجھ کو بھی چار گھڑی بزم کا مہماں کر دے

برق پر اپنا کرم کرکے تو اے رحمتِ حق
زندگانی کے غم و رنج کو آساں کر دے

پریم کا دیپک من میں جلایا — من کو تیری بھینٹ چڑھایا
روپ دکھا کر من کو لبھایا — من میں تیرا روپ بسایا
کرتا ہوں تجھ سے پیار۔ ساجن

پریم کا کوئی گیت سنائے — گیت سے میرے من کو لبھائے
پریم کی مدرا کوئی پلائے — اس سے پریم کی پیاس بجھائے
کرتا ہوں تجھ سے پیار۔ ساجن

پریم کا تو نے رنگ لگایا — رنگ نے من کو اور رنگ دکھایا
ایک کرشمہ اپنا دکھایا — پریم بھکاری مجھ کو بنایا
کرتا ہوں تجھ سے پیار۔ ساجن

طلب مے کی رہی اُن کے خمار آلودہ آنکھوں سے
مجھے اب کیا غرض ہے تیرے میخانہ سے اے ساقی

پر تو خیال

دل میں نہ سمجھ نا داں دلدار نہیں ہوتا
پر اُن کی رضا کے بن دیدار نہیں ہوتا

وہ آنکھ ہے باطن کی دیکھو گے جیسے جلوہ
اِن دیدۂ فانی سے دیدار نہیں ہوتا

رُو پوش حیاتِ ابدی منزل میں فنا کی ہے
باطن کا جو عالم ہے اظہار نہیں ہوتا

دل کو نہ بنایا جب خوگر ہی عبادت کا
کس منہ سے یہ کہتے ہو دیدار نہیں ہوتا

اے برق نہ پھیلا یا دامن کو کبھی تو نے
شاعر کوئی ایسا خوددار نہیں ہوتا

"میرے دکھ کی دوا کرے کوئی"

یادِ درسِ خدا کرے کوئی
بے کسوں کا بھلا کرے کوئی

ناروا ہے آج کی بے دینی
دین و ایمان روا کرے کوئی

بے طرح جب ہوائے عالم ہے
کس کو کس کا گلہ کرے کوئی

چشمِ باطن کھلے گی اُس کی گر
سازِ دل کا سنا کرے کوئی

مہربان جب رضائے قدرت ہو
کس کو کیسے فنا کرے کوئی

طے نہ ہوگی فنا کی منزل جب
کیسے دیدِ خدا کرے کوئی

دل میں پنہاں سرِ یزداں ہے
نوش آبِ بقا کرے کوئی

غم و اندوہ ہی ختم ہوں گے گر
مردِ کامل دعا کرے کوئی

جو جھمیلوں سے برق جکڑا ہے
ایسے غافل کو کیا کرے کوئی

"دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے"

اُن کے در سے کِسے مِلا کیا ہے
بس ایسے جینے کا اب مزا کیا ہے

مر لے جینے کا خاتمہ ہوگا
جان لو گے اگر خُدا کیا ہے

حق نہ کہنے کا آدمی اُس کو
جو نہ جانے بُرا بھلا کیا ہے

تنگ دستی سے قافیہ تنگ ہے
اپنے پیاروں کو بہ دیا کیا ہے

ناز و انداز کے کشاکش میں
سب روا ہے ناروا کیا ہے

چشمِ باطن ملے گی حق سے جب
جان لو گے فنا بقا کیا ہے

ہاتھ تھامینگے بے کسوں کا گر
قرض اپنا ہے مرحبا کیا ہے

لوگ بھولے ہیں برق کو کب سے
شاعری کا بھی صلہ کیا ہے

ڈل کی شام

جلوہ حیات افزا شام بہار کا تھا
نشہ حیات افزا ڈل کے خمار کا تھا
ہر ذرّہ جلوہ گر تھا حسنِ بہار بن کر
وہ دلربا فضا ہیں شانِ بہار ہو کر
وہ کیف زار ہوائیں مستانہ وار ہو کر
سوز و گداز سے پھر دل کو لبھا رہی ہیں
سازِ طرب کی نغمہ گر ہر لہر نغمہ زن تھی
آبِ رواں کی چادر پھر ڈل میں موجزن تھی
سیماب دار موجیں وہ بیقرار موجیں
کیا دلنشین ادائیں دکھلا رہی تھی قدرت
مسرور تھی نگاہیں تھی جلوہ بار فطرت
ڈل کے کنول کنول کی رنگینی فضا سے
کیا کیف ریز منظر شام بہار کا تھا

چشمِ نظارہ بن کر سورج کا ڈوبنا تھا
رنگین بادلوں سے جلوے برس رہے تھے

نظارہ سوز جلوہ چاروں طرف بپا ہے
جلوۂ خلد دیکھا نظارہ آب و گل کا
دل میں اتر رہا تھا روحِ نشاط بن کر

وہ خوش گوار منظر تھا شام کو ہویدا
باغِ جہاں پہ یکسر تھا اک سکون برپا
جلوے تڑپ تڑپ کر خاموش ہو رہے تھے

نظریں بھی برق بن کر تیزی سے کوندتی تھیں
جاں بخش نظارہ منظر آنکھیں جو دیکھتی تھیں
دھواں سا اٹھ رہا تھا سرسبز وادیوں میں

مرکز

تجدیدِ وفا

بزمِ دل میں اپنی میں شمعِ وفا روشن کروں
یا فضائے داغِ دل کو رشکِ گلشن کروں
ذوقِ پیہم کاوشِ عقلِ رسا کو دوں فروغ
ذرہ خاکِ وطن کو مہر ضو افگن کروں
جی میں آئے نظامِ دہر میں اک انقلاب
صورتِ خورشید ہر ذرے کو میں روشن کروں
آنکھ سے ٹپکے جو خونابہ وطن کی یاد میں
قطرے قطرے کو لہو کے لالۂ گلشن کروں

آرزوئے دل مری منت کشِ تکمیل ہے
جذبۂ بیتاب مرا تشنۂ تکمیل ہے
جوہرِ حسنِ عمل سے کیا سے کیا ہو جائے گا
جذبۂ دل صرفِ تکمیلِ وفا ہو جائے گا

ہم پرستارِ وفائے ملک ہیں لیل و نہار،
ایک دن پیارا وطن یہ خلد سا ہو جائے گا
حسرتِ کاملِ عروج اوج کو پہونچیگی جب،
جذبۂ حبّ وطن جلوہ نما ہو جائے گا
کارفرما ہے نشاطِ کوششِ پیہم مری
ذوقِ تخلیقِ محبّت جا فزا ہو جائے گا
جلوہ زا مہر حیاتِ جاوداں ہونے کو ہے
ہستیٔ ممتاز پھر ہندوستاں ہونے کو ہے

جذبۂ ہمت کو اے دِل تو ذرا بیدار کر
عہد و پیمانِ وفائے ملک کا اقرار کر
فطرتِ جذبات سے ظاہر بنا ہو انقلاب
آتشیں آہوں سے پیدا گرمیٔ پاتار کر
اپنی رودادِ وطن کا اک ترنم چھیڑ دے
گوشے گوشے کو وطن کے ایک نغمہ زار کر

دہر کی ظلمت مٹا مانندِ مہر و ماہِ نَو
پردۂ تاریک میں یہ پا تجلّی زار پیدا کہ

فطرتِ شاعر سے حاصل نغمۂ بیتاب ہے
اور وہ نغمہ بھی بہ رقِّ تابشِ مضراب ہے

آئینۂ چکبست

میں اپنی داستانِ آرزو سے تر زباں کر لوں
کہ اس رُوداد کو دُنیا کے لوگوں سے بیاں کر لوں
تری ہستی کبھی صد رنگِ وفاداری سے آلودہ
دلِ جمہور تھا جذباتِ غمخواری سے آلودہ
تری "صبحِ وطن" آئینہ دارِ حسرتِ دل ہے
سمجھنا مقصدِ حسنِ سخن کا ایک مشکل ہے
نئے انداز کی تو شاعری کا اک مُوجِد تھا
دل و جاں سے ہر اک حظ کوش ہے تیری نوا دُر کا

عطا نا شیروہ کی کفنی تیرے شعرِ قل کو قدرت نے

کہ جن سے درسِ بیداری ہے سیکھی آج بھارت نے

نیا طرزِ تمدن حریت کا جو سکھایا ہے

ہماری فطرتِ خوابیدہ کو اس نے جگایا ہے

گلِ فردوس ہر خارِ وطن کو تو سمجھتا تھا

پرائے درد سے تیرا دلِ غمخوار دکھتا تھا

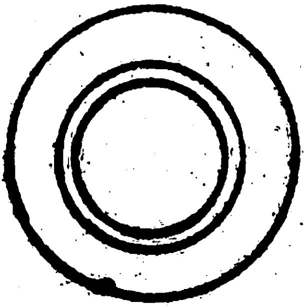
روفائے ہند کو اونچا کیا شانِ وطن کہہ دوں

غلط کیا ہے اگر عالم کا خورشیدِ سخن کہہ دوں

نیا کچھ رنگ لاتا پر نہ دی فرصت زمانے نے

بدل ڈالا یکایک نقشۂ بھارت زمانے نے

بھلائی ہر رگِ جاں میں اگر ہندوستاں کی تھی
تری ہستی مگر پابندِ دورِ آسماں کی رہتی
خزاں سے پیشتر دورِ خزاں آیا ہے گلشن پہ
گری یہ برقِ قیامت ناگہاں بھارت کے خرمن پہ



*

جذبۂ وحدت

شوقِ ہر رنگِ تمنّا میں نمایاں ہوگا
دِل مرا نورِ محبّت سے درخشاں ہوگا
بے عقیدت کی نگاہوں سے تو پنہاں ہوگا
عشق لیکن تیرے دیدار کا ساماں ہوگا

آپ کی یاد کو جینے کا سہارا کر لوں

دستگیری جو کرے جذبۂ کامل میری
درجۂ عشق تمنّا کو ہو حاصل میری

دُور ہے حدِ تصوّر سے بھی منزل میری
شوقِ کامل سے ہوئی سہل یہ مشکل میری

میں گمراہی میں رستے کو میں پیدا کر لوں

مےِ وحدت سے میں سرشار رہونگا ہر دم
بیخودی میں بھی تو ہوشیار رہوں گا ہر دم

شرب دہر سے بیزار رہوں گا ہر دم
تیرے جلوے کا طلبگار رہوں گا ہر دم

میں عقیدت کو تری اپنا عقیدہ کر لوں

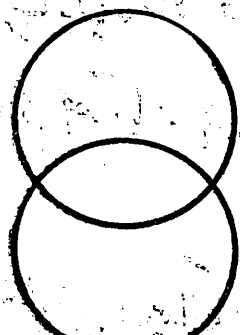
کچھ نہ کچھ رنگ جمائے گی محبت میری

کامرانی میں بدل جائے ہزیمت میری

ہر طرف کھل جائے گی عالم پہ حقیقت میری

عشقِ صادق سے ہے تعمیرِ طبیعت میری

دل کو میں عشق سے حظ کوش ہمیشہ کر لوں



قوم سے خطاب

وفا قیدِ تمنا سے اگر آزاد ہو جاتی ہے
ہماری سعیٔ حاصل پھر نہ یوں برباد ہو جاتی
کشش ہمت کی گر صرفِ دلِ ناشاد ہو جاتی
ہماری بزمِ بیداری بھی پھر آباد ہو جاتی

نمودِ پستئ فطرت یہاں کس کام آئے گی
ہماری قوم کو اس سے اجل کی شام آئے گی

طبیعت اپنی حفظ کوشِ تقاضائے محبت ہے
کہ پنہاں ہر ذرّہ اُلفت میں بیداری کی عظمت ہے
اگر دِل میں تیرے اے قوم کچھ احساسِ ہمت ہے
تو اصل زندگانی کا یہی رازِ حقیقت ہے

نوائے وفا کو چاہیے وقفِ زبان کر لیں
ہم اپنی آرزوں کو شناسائے جہاں کر لیں

ملے گا فائدہ کیا ہم کو اب رنگین دلائل سے
نہ شیرازہ رہے قائم اگر جمعیت دِل سے
مرادیں دِل کی بر آئیں گی اپنے جذبِ کامل سے
ہم آغوشی ہو حاصل پھر ترقی کی منازل سے

تمنّا ہے کہ شمع اہلِ دِل پھر آج روشن ہو
نئے سر سے وفائے قوم کا شاداب گلشن ہو

ہے جمعیّتِ خاطر سے ایثار و وفاداری

وفاداری کے پردے میں ہے پنہاں رازِ بیداری
دِلوں میں جاگزیں ہو جائیں پھر جذباتِ غمخواری
رہیں ہم متحد یا ہم بھی ہے درسِ بیداری

جو چمکے برقِ محشر بھی نہ ڈرنا چاہیئے ہم کو
وفاداری کے میداں میں اُترنا چاہیئے ہم کو

احساسات

درسِ بیداری کا جوہر رُونما ہونے کو ہے
ذرّہ ذرّہ دہر کا مہرِ وفا ہونے کو ہے
زندگانی کا جو مقصد ہے وہ ہاتھ آتا نہیں
مفلسوں کا دُکھ بھلا کس کس کو تڑپاتا نہیں
جاگزیں ہو گی دلوں میں اُن کی رودادِ وفا
ایک عالم کو رُلا دے گی یہ فریادِ وفا
عشرتیں جتنی ہیں عالم کی وہ کوسوں دور ہیں

ہم نہیں جلتے مگر جلنے سے ہم مجبور ہیں

دیکھ کیسے حال بد میں ہیں یہاں نادار دیکھ

کاش تو کھاتا کبھی پہ ترس اے زردار دیکھ

شرم ہے، لعنت ہے اے زردار کیا کرتا ہے تو

خون پی پی کر غریبوں کا جیا کرتا ہے تو

کھول دے نا عاقبت اندیش آنکھیں کھول دے

ہاتھ سے کچھ بنتا نہیں کچھ تو زباں سے بول دے

خود نہ ہو بیدار تو بیدار کرنے کیلئے

انقلابِ دہر سے ہوشیار کرنے کے لئے

اپنے جذباتِ خودی کو ترک کرنا چاہیئے

کچھ خدا سے اور کچھ دُنیا سے ڈرنا چاہیئے

جس پہ اِترا تا ہے تو اُس کو نہیں دم بھر قرار
چلتی پھرتی چھاؤں ہے یہ دولتِ ناپائیدار
بہتی گنگا میں نہ دھویا ہاتھ تو کیا فائدہ
بے کسوں کا گر نہ دے گا ساتھ تو کیا فائدہ
چار دن کی زندگی ہے اور پھر رنگِ خودی
ایک دن یہ پاش پاش ہوگا ترا سنگِ خودی
انقلابِ دہر سے کس کو نصیب عیش ہے
کچھ خبر ہے تجھ کو کس عالم میں غفلت کیش ہے
جوہرِ صد رنگ حسرت آہ تماشے ہیں مرے
ایک نقشِ بے مصیبت آہ دو تماشے ہیں مرے

کیا یہ واجب ہے کسی سے ہم کو ڈرنا چاہیئے

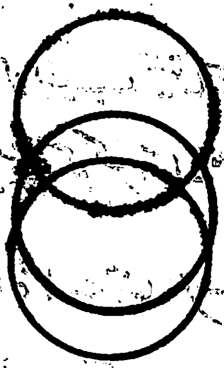
ایسے جینے سے یہ اچھا ہے کہ مرنا چاہیئے

آدمی پیدا ہے دست و پا ہلانے کیلئے

انقلاب آجائے اچھا ہے زمانے کے لئے

ہر فرد کی تخلیق ہے کچھ کام کرنے کیلئے

مجرمین سرمایہ داری پر ہے گرنے کیلئے



"

بیوہ کی فریاد

میرے اس حسنِ عمل کا کسے اقرار نہیں
پر یہ حسرت ہے کہ میرا کوئی غمخوار نہیں
میری ہی ذات سے قائم ہے شبابِ ہستی
میرے ہی سوز سے پیدا ہے ربابِ ہستی
حقِ مادر کی نہ میرے کہیں پرسش ہوتی
بلکہ خود ساختہ باتوں کی پرستش ہوتی

میری حسرت کو نہ اے اہلِ غرض باطل کرو
اپنے پہلو میں ذرا اتنی سی جگہ پیدا دل کرو

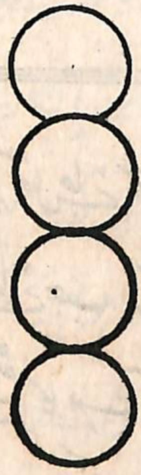
یہ ستم ہے نہیں ہوتا ہے کچھ انصاف مرا
اسی باعث سے سدا رہتی ہوں فریاد سرا

کسے معلوم ہے تکلیفِ نہانی میری
ایک تصویرِ مصیبت ہے کہانی میری

وہ سزا مجھ کو ہے ملتی کہ سزاوار نہ ہوں
سب جفا کرتے ہیں لیکن میں جفاکار نہ ہوں

شرم ہے مردوں کی خاطر کہ بنتے ہیں خودسر
اور پھر ذات کو میری ہیں بتاتے بدتر

اُنہیں کہتے ہیں مُہذّب مجھے اِقرار نہیں
کہ دِلوں میں رُوحِ اِنسانیت بیدار نہیں
یہی انداز رہا گر تو ہے جینا مُشکل
ترقی اس قوم کا پھر تو ہے سمجھنا مُشکل



شاعر کا پیغام

کس طرح غیروں پہ کھل جائے گا میرا رازِ دل
پہنچ جائے جب نہ کانوں تک میری آوازِ دل

دیکھ اب رنگِ تغیّر کا مرے آغاز دیکھ
کھول دے آنکھیں نئی تحریک کا انداز دیکھ

موت کا سایہ ہے میرے ساتھ چلنے کیلئے
حسرتیں بیتاب ہیں کروٹ بدلنے کیلئے

نام روشن ہو اگر نقّاد بن جائیں سبھی
پر یہ ممکن ہی نہیں اُستاد بن جائیں سبھی

بے سبب حسّاد کے سر میں سودائے جنوں
حسرت و بغض و حسد سے جوش میں آتا ہے خوں

قابلِ تسلیم ہے یہ کب کسے اِنکار ہے
گامزن ہونا عمل کی راہ میں دشوار ہے

جن فنا لوگوں سے کہ خدمت ہو نہیں سکتی کبھی
سب پہ کھل جاتی ہے ذلّت اُن سے مُلک و قوم کی

خشک ہو جاتا ہے خونِ شعر و سخن کے واسطے
خاص کر وہ شاعری جو ہو وطن کے واسطے

شاعری کا اختیار کرنا نہ آسان کام ہے
شاعری اے ناسمجھ اِلہام ہے الہام ہے

میں نے بیجا مدح کی عادت نہیں سیکھی ابھی
میری فطرت میں نہیں اوروں کو دکھ دینا کبھی

میں وہ بندہ ہوں جو شہرِ ادبی خودی سے دور ہے
جس کا دِل سوزِ وطن ہی سے فقط پُرنور ہے

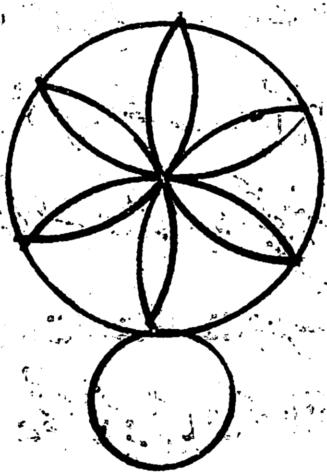
مٹ نہیں سکتی کبھی میری بہارِ شاعری
کس میں طاقت ہے کہ کم کر دے وقارِ شاعری

اہلِ دانش ہیں جو اُن کے سامنے جھکتا ہوں میں

پر سخن ناآشناؤں سے یہی کہتا ہوں میں

برق بن کر جب نئے انداز میں گر جاؤں گا

آتشِ محشر جہاں میں چار سُو برساؤں گا



نوائے وطن

کشش حُبِّ وطن نے مجھے مجبور کیا
خاطرِ قوم مردوں میں نے یہ منظور کیا
سرفروشوں کو یہ پیغام سُنا دے کوئی
خوابِ غفلت سے اُنہیں کاش جگا دے کوئی
تا یہ سکے پردہ غفلت میں رہو گے پنہاں
پست ہمت، پست فطرت تمہیں کہنا ہے جہاں
تُلفِ بدبختی سے تم کردو زباں کو واقف

ہستیٔ قوم سے کر دو اِک جہاں کو واقف
ہر طرح حُبِّ وطن کا دم جو بھرنا ہوں میں
آشنا ایک جہاں کو اس سے کرنا ہوں میں

کیا غضب قوم کو جس جس نے بڑھانا چاہا
اُن کو اِس چرخ نے چُن چُن کے مٹانا چاہا

دِل مکدّر ہو تو سب کام بگڑ جاتے ہیں
کیسے آباد شہر دم میں اُجڑ جاتے ہیں

متحد ہم ہوں اگر کام وطن کا بن جائے
ایسے مِل جُل کے رہیں دیکھنے والا تن جائے

ہائے کِس خوابِ گراں کے ہم مزے لیتے ہیں

گلشنِ قوم کو یہ تلخ ثمر دیتے ہیں
قوم جو منزلِ موہوم کے سرخ جاتی ہے

ہر طرف رنج میں ڈوبی سی صدا آتی ہے
آج ہم پیار سے کیوں کر دیں صدائے اتحاد

اور اس شور سے پیدا ہو ہوائے اتحاد

بغض و نفرت ہمیں باہم کبھی منظور نہیں
تنگئ دل کی خلش سے کون مغفور نہیں

دل ہو آزاد تو سختی کی اذیت کیا ہے
کیسی آفت، کیسی کلفت کی حقیقت کیا ہے

دل وہ دل ہے جس میں سودائے وفا پیدا ہو
آدمی وہ ہے وطن پہ جو سدا شیدا ہو

قرض کانٹوں کا ہو چلنے سے نہ معذور ہیں ہم
جذبۂ عشقِ وطن سے کب نہ معمور ہیں ہم

دل کی دل ہی میں رہی اس سے ہیں گھبرائے ہوئے
شوق و حسرت کے ہیں بادل ان دلوں چھائے ہوئے

داغِ ناکامی حبیب شوقِ وفا کو لوٹ لے
قیدِ حسرت کیا حریت کی صدا کو لوٹ لے

یہ حق کا ہے یہی مسلک اور ارمان یہی
قوم آباد ہو شادی کا ہے سامان یہی

نالۂ حسرت

دلِ پُر درد سے اہلِ وطن فریاد کرتے ہیں
زبانِ آرزو سے شکوۂ بیداد کرتے ہیں
بنا حُبِّ وطن اہلِ وطن ایجاد کرتے ہیں
گھروں کو چھوڑ کر جیلوں کو بس آباد کرتے ہیں
ترانہ قوم کا ہے ہر لبِ مظلوم پر جاری
یہی ہے جذبۂ ایثار و آدابِ وفاداری

برائے قوم ہر کوئی جواں مرنے پہ مائل ہو
نئی تحریک کا حامی فدا ہونے میں کامل ہو
ہمارے حوصلے جرأت کی دنیا ساری قائل ہو
ملے گی کامرانی جب سبوں کا ایک ہی دل ہو
برابر نالہ و فریاد سے ہو تر زباں اپنی
ہمیشہ قوم کی خاطر ہتھیلی پر ہو جاں اپنی
ضرورت کچھ نہیں ہم کو ہے اب رنگین فسانوں کی
بہارِ زندگی قائم رہے گی نوجوانوں کی
ہوائیں کھائیں گے احباب اب پھر جیل خانوں کی
ضرورت اور بڑھ جانے گی پھر قومی ترانوں کی
فنائے قوم کا جب ہے سماں کیونکر جئیں گے
وقارِ قوم پر مرنا یہاں ہم کیونکر سیکھیں گے
دکھائیں آج کل کس کس کو ہم زخمِ جگر اپنا

اگلتی ہے ہماری قوم خول ہو کر زہر اپنا
بھلا دیا ہے ستم ہائے زمانہ نے بھی گھر اپنا
نہ حامی ہے کوئی اپنا نہ کوئی چارہ گر اپنا
نمونہ حشر کا یہ جنت کشمیر بن جائے
ہماری آہ ظالم کو اجل کا تیر بن جائے

جو اپنی قوم کی حالت ہے سب پر آشکارا ہے
نفاق باہمی نے کس قدر افسوس مارا ہے
بس اب قربان ہو جانے کا ہی تو اک سہارا ہے
مٹا دیں بزم ہستی کو ہمیں اتنا بھی یارا ہے

یہی وہ قوم ہے روٹی کی خاطر جو ترستی ہے
در و دیوار سے اب جس کی یوں حسرت برستی ہے

ہمیں تھے کوئی دم میں جو جہاں کو بھی پلٹ سکتے
تعجب تھا اوراقِ سیاست کو اُلٹ سکتے
چمک جاتی تھی جب برقِ قیامت ہم نہ ہٹ سکتے
کسی صورت میں ہم غیروں کے ہاتھوں سے نہ کٹ سکتے

کسی کا ناوکِ جور و ستم کچھ کر نہیں سکتا
ہماری قوم کا بچہ بھی اس سے ڈر نہیں سکتا

جلوۂ بہار

شگفتہ ہیں گلِ ارماں بہارِ زندگانی سے
نظر آتی ہے دُنیا آج خنداں شادمانی سے

نظر افروز مثلِ صُبحِ خنداں باغِ عالم ہے
ضیا افگن، ضیا گستر، درخشاں باغِ عالم ہے

مسرت کا فری سامان ہے اک نغمۂ رنگین
ترنم آبشاروں کا جہاں میں باعثِ تسکین

نئے انداز سے بجتے ہیں سوزو ساز فطرت کے
فدائے راز ہوتے ہیں نیاز و ناز قدرت کے

شوئے چرخِ مسرّت دل مرا پرواز کرتا ہے
مثالِ طاہرِ آزاد دمِ اُلفت کا بھرتا ہے
نئی رُوح پھونک دی ہے پھر فضاؤں نے گلستاں میں
کہ تبدیلی یکایک ہو گئی ہر اک خیاباں میں
رگِ اشجار میں موسم نے خونِ نَو پیدا کیا
بہارِ گُل سے اِک نظّارۂ دلکش ہوا پیدا
زمینِ سبز پر گلہائے رنگین میں نظر آتے
کہ ہیں لعل و گہر فرشِ زمرّد پر بکھر جاتے
بہارِ جلوہ زا سے یہ ہُوا پُر نُور عالم پھر
خزاں کے دورِ ظلمت سے ہوا ہے دُور عالم پھر

عجب جاں بخش و راحت خیز یہ بادِ بہاری ہے
دلِ پُر کیف پر اک وجد اور مستی سی طاری ہے

نگاہ کو مسرت کرتی ہے دلوں کو شاد کرتی ہے
سرے سے پھر جہانِ خستہ کو آباد کرتی ہے

سُریلی تان ہے اُڑتی، نئی آواز آتی ہے ۰
عجب رنگین نغمے سے صدائے ساز آتی ہے

بہارِ کیف زا مغموم دِل مسرور کرتی ہے
ادا سے اپنی ہر دِل سے الم کو دور کرتی ہے

سبق آموز کتنی یہ بہارِ جاں فزا آئی
مشاہدہ کرنے سے کافر کو بھی یادِ خدا آئی

بشرِ عالم کو دیکھئے ان دنوں چشمِ بصیرت سے
یقیناً آشنا ہو جائے گا اسرارِ فطرت سے

سرورِ خلد ہے رقصاں جہاں کے لالہ زاروں میں
حیات افروز ساماں جلوہ گر ہے نو بہاروں میں

فضا چھائی ہے پھر رعنائی خلدِ بریں بنکر
ہے ڈوبا برق پھولوں کی بہاروں میں جہاں بنکر

آئینۂ فطرت

جہاں آئینۂ اسرارِ فطرت کا نظارہ ہے
کہ گویا خُلد میں گلزارِ فطرت کا نظارہ ہے

بقدرِ وُسعتِ چشمِ بصیرت فلسفۂ قدرت
سمجھ سکتا ہے ہر کوئی بقدرِ خوبیٔ قسمت

نہ کیوں نیرنگِ عالم کا ہو ہر کوئی تماشائی
نہ کیوں اِس باغِ دُنیا کا ہو ہر انسان شیدائی

برستیں جنتیں باغِ جہاں کی ہیں فضاؤں سے
مزے سب لُوٹتے ہیں نعمتِ حق کا نگاہوں سے

طرب آگیں جلوہ ہے جو آنکھوں میں کھبا جاتا
سماں رنگین فطرت کا دلوں میں ہے سما جاتا

ہوا، پانی، گل و سبزہ مناظر کو بہاروں کے
بہ جلوے حق کے کیا کیا ہیں قمر خورشید تاروں کے

عجب دلکش ترنم آب جو ہم کو سناتا ہے
کوئی مضطرب خوشی میں ساز کے پردے ہلاتا ہے

بہارِ خندۂ گل کی تبسم خشک آگیں ہے
نظارہ سو ترا یا رب کیا ہی اپنی بزم رنگیں ہے

بہارِ جلوۂ رنگینِ گل کیا کیف آور ہے
کسی محبوب کا گویا نظر میں روئے انور ہے

تصوّر ہائے رنگیں سے دِلِ مسرورِ قدرت کے
ہوئے ہیں مائلِ سیرِ تماشا باغِ عشرت کے
جہاں کا پتا پتا حاملِ اسرارِ حکمت ہے
نمودِ قدرتِ حق کی یہ صورت درحقیقت ہے
چڑھا پروان میرا ہے نہالِ آرزوئے دِل
کہ جلوے بزمِ قدرت کے سدا ہیں روبروئے دِل
فضائے دہر میں جلوے رموزِ حق کے پنہاں ہیں
نہاں جتنے یہ جلوے ہیں یہ اُتنے ہی نمایاں ہیں
اُگلتی ہے خزانے قدرتِ حق کی زمیں کیا کیا
نمایاں ذرّہ ذرّہ سے جمالِ مہ جبیں کیا کیا

جبھی ہے باعثِ عشرت بہ یادِ جلوۂ یزداں

اسی کے بحرِ الفت میں ہے رہتا غوطہ زن انساں

اسی کے بحرِ فرقت میں کوئی راحت کو کھوتا ہے

کبھی تو اشک کے موتی کی بھی مالا پروتا ہے

یہ عالم رونما بے شک ہے جلوہ زارِ قدرت کا

کوئی کب جان سکتا ہے معمہ زارِ فطرت کا

میری اے برق نظروں میں جہاں تصویرِ فطرت ہے

یہاں کا ذرہ ذرہ جلوۂ تنویرِ فطرت ہے

مفہوم

ویری ناگ

کس قدر ہوتا ہے پیارا جاں سے ارمانِ حیات
ہاں مگر ہیں موت کے کانٹے پہ ارمانِ حیات

کس لئے رکھے کوئی دِل میں تمنائے ارم
کس لئے ہو جائے کوئی دِل سے شیدائے ارم

کس لئے نورِ حقیقی سے کوئی محروم ہو
کس لئے کوئی شبِ تاریک سے مغموم ہو

ذرّہ ذرّہ سے یہاں ظاہر ہے اک شانِ ارم
دیکھ کر کشمیر کو مٹتے ہیں ارمانِ ارم

طالبِ جنّت کو کیوں احساسِ فطرت چاہیئے
دیکھنے کو ہاں مگر چشمِ بصیرت چاہیئے

وادیٔ رشکِ جناں یہ ہے گھری کہسار سے
کلفتیں کافور ہیں سب اس کے اک دیدار سے

چشمۂ کوثر رواں ہے دامنِ کہسار سے
اور جنّت ہے نمایاں جلوۂ گلزار سے

ختم ہیں رعنائیاں سب حسنِ فطرت کی یہاں
جلوہ گر نیرنگیاں ہیں ساری قدرت کی یہاں

نورِ آگیں ہے سراپا طور کا ہم شان ہے
فیض یاب اس منظرِ عالی سے ہر انسان ہے
آنکھ کی پتلی ترستی اس کے جلوے کو سدا
چاہتا ہے دِل بہ اِک دم بھی نہ ہو جائے جدا
شوخیٔ فطرت شیوں کی رنگ ہے لاتی یہاں
محفلِ عشرت نئے سر سے ہے گرماتی یہاں
ہر کوئی اس کے شرابِ عشق سے دیوانہ ہے
اپنے طالب کی نظر میں صورتِ جانانہ ہے
اے وِتستا تجھ سے قائم ہے بنائے زندگی
تیری ہر اِک لے سے ہے بیدار بابِ زندگی

لفقد دل قربان ہے تیرے ادا و ناز پہ

وجد میں آتے ہیں سب تیری صدائے ساز پر

موجزن ہے بحرِ دل تیری شرابِ عشق سے

ہے جہاں قائم فقط تیرے شبابِ عشق سے

کس قدر ہے دلربا بارش نوائے آبشار

گونجتی کانوں میں ہے میرے صدائے آبشار

آبشاروں کے ترنم سے عیاں ہیں ساز سب

آشکارا حسنِ فطرت کے ادا و ناز سب

قدرتِ حق کی یہاں نیرنگیاں ہیں جلوہ گر

عقل کچھ کرتی نہیں ہے کام حیراں ہے نظر

چادرِ آبِ رواں میں بھی ہے رنگ و بوئے گل
منعکس آئینہ جوئے چمن میں روئے گل

عطر افشاں روح پرور ہے ہوائے گلستاں
ہو رہے ہیں اس کی خوشبو سے معطر دو جہاں

عالم بالا میں ایسی سیرگاہ کوئی نہیں
دیکھنے والے بہت ہیں داد خواہ کوئی نہیں

راحتیں پیدا یہاں کی ہیں مکیں کے واسطے
کب ترستے ہیں بھلا خلد بریں کے واسطے

اس کے منظر کا اگر نقشہ رہے گا دلنشین
پر یہاں کے لوگ اپنانے کے قابل ہی نہیں

اس کے آبِ عشق میں غوطہ لگانا چاہیئے
پریم کی گنگا میں ہر اِک کو نہانا چاہیئے

بھول جاتا ہے اَلم نیرنگیِ فطرت دیکھ کر
دنگ ہے حیران یہ اعجازِ قدرت دیکھ کر

نوائے قوم

مرحوم

سُناؤں کس کو رُودادِ الم اپنا زمانے میں
صدا طوطی کی سُنتا کون ہے نقار خانے میں

ادائے قوم پر مرنا حیاتِ جاودانی ہے
جماعت میں کرامت ہے برازِ زندگانی ہے

یہاں اہلِ غرض نے کھیل سمجھا ہے الکیشن کو
کہ کرتے ہیں اپنی نادانی سے ہیں پامال گلشن کو

جنہیں عقلِ رسا ہے نیک و بد وہ جان سکتے ہیں
بگانوں اور بیگانوں کو وہ پہچان سکتے ہیں

یہی وہ وقت ہے جب نیک و بد کا امتحاں ہوگا
وطن کی خیر خواہی کا ہر اک جب ترجماں ہوگا

زمانے کی روش سے یہ حقیقت جلوہ آرا ہے
وطن کے دم قدم سے ہم کو جینے کا سہارا ہے

جو ہیں اہلِ وفا تعظیم کی خاطر وہ مرتے ہیں
جو با ہمت ہیں کب غیروں کی دھمکی سے وہ ڈرتے ہیں

بدن میں قوم کے اپنی کہ جب تک دم میں دم ہوگا
نہیں ممکن کبھی اپنا سرِ تسلیم خم ہوگا

اسی پر ختم ہوتی ہے نہیں طرزِ بیاں میری
نئے انداز میں گیتوں سے ہوگی تر زباں میری

تلک کی یاد میں

آج لذّت کوش ہے جاں نالہ و فریاد کی
کارسازی دیکھئے چرخ ستم ایجاد کی
پھر سکونِ دل ہیں پاتے مائلِ آہ و فغاں
رنج میں ڈُوبا ہوا ہے ہر کوئی پیر و جواں
پھر زمینِ قلب پر ہے ابرِ غم چھایا ہُوا
دل جو عشرت پارہ تھا دُکھ سے ہے گھبرایا ہُوا

کیوں نہ نم ہوں اشک سے آنکھیں شیونکی درد سے
بزمِ عشرت اُٹھ گئی ہے رنج وغم کی گرد سے
وائے قسمت جس گُلِ رنگیں پہ ہم کو ناز تھا
قوم کی ہستی کا باغِ دہر میں دمساز تھا
شورِ ماتم، دردِ غم سے ہر کوئی مجبور ہے
شادمانی سے نہیں اب یہ دلِ رنجور ہے
اُن کی مرگِ ناگہاں اک بارِ محشر خیز تھی
موت کیا تھی قوم کی خاطر قیامت ریز تھی
گردشِ چرخِ کہن سے جی ہے گھبرایا ہُوا
آفتابِ حشر اپنے سر پہ ہے آیا ہُوا

نغمۂ عشرت کے بدلے شورشِ آہ و فغاں
سنتے ہیں ہر دم فضائے آسمانی میں یہاں
ایک مدت ہو گئی آہ و فغاں کرتے ہوئے
آشکار عالم پہ یہ دردِ نہاں کرتے ہوئے
پردۂ دردِ الم میں ہیں چھپی سب شادیاں
ذرّے ذرّے سے عیاں ہیں رنج کی انگڑائیاں
ہوک اٹھتی ہے ہمارے دل میں ان کی یاد سے
کانپ اٹھتا عرش بھی ہے نالۂ فریاد سے
راحتِ دل کی کلی ہے آج کملائی ہوئی
دیکھتے ہیں جس طرف غم کی گھٹا چھائی ہوئی

یہ وہ ماتم ہے کبھی دل سے جو مِٹ سکتا نہیں
دلنشیں اب اس طرح غم ہے کہ بس ہٹتا نہیں

قوم کا تارا ہے ڈوبا گردشِ ایام سے
ابتری پھیلی ہوئی ہے بختِ نا فرجام سے

اُن کے فیضِ عام سے تھی سب کی شانِ زندگی
قوم کی تھی دم قدم سے اُن کے آنِ زندگی

زندگی کا لطف وابستہ تھا جن کی بات سے
تھی عروجِ قوم کی اُمید جن کی ذات سے

چل رہی ہے قوم اب موہوم منزل کی طرف
جا رہی ہے لیے شبہ راہِ تنزّل کی طرف

آسماں پر مہر و مہ جب تک رہیں گے ضو فشاں
نام زندہ دہر میں تب تک رہیگا جاوداں
رو رہا ہے چار سو کون و مکاں تیرے لئے
برق سمجھا ہے کہ ہے باغِ جہاں تیرے لئے

"نہ بھول انساں دنیا پر کہ دنیا دارِ فانی ہے"

ہر اک سے تو بھلائی کر جہاں تک زندگانی ہے
"نہ بھول انساں دنیا پر کہ دنیا دارِ فانی ہے"
کوئی بھی انکشافِ رازِ قدرت کر نہیں سکتا
ہزاروں عقل والوں نے جہاں کی خاک چھانی ہے
جہاں میں کس غرض سے آئے ہیں اتنی خبر رکھو
کسے معلوم ہے دنیا میں کب تک دانہ پانی ہے
مٹا دو دل سے الفت برق اس دنیائے فانی کی
گذرتا ہے تیری نظروں سے جو کچھ سب وہ فانی ہے

برآمدِ سالِ نو

گلشنِ عشرت کی گُل چینی میں سب مصروف ہیں
جوشِ فصلِ سالِ نو ہے رنج و غم موقوف ہیں

فرش والے سالِ نو کو ہیں مناتے فرش پر
شاد اور خُرّم ہیں سارے عرش والے عرش پر

شادمانی کی پری سے لوگ ہم آغوش ہیں
بادۂ عشرت سے سب خوردہ کلاں مدہوش ہیں

پہنے ہیں لوگوں نے کیا کیا جامہ ہائے رنگیار
ہر طرف گل پیرہن پھرتے ہیں مثلِ نو بہار
ہر طرف سب کو مست کرتی ہے شگوفوں کی بہار
خلد کو شرما رہی ہے آج پھولوں کی بہار



تکمیرِ حیات

نشاطِ آرزو میں زیست کی پنہاں حقیقت ہے
نہیں تو زندگانی ایک تصویرِ مصیبت ہے
بشر گر رازِ قدرت سے جہاں میں آشنا ہوتا
تو مرنے اور جینے سے مرا بیشک سوا ہوتا ہے
تمنائے بقا کا دل میں جو احساس ہوتا ہے
اسی باعث مرادِ دل سے انساں ہاتھ دھوتا ہے
زمانہ بھی ہے اِک خوابِ گراں کی دلکشا تعبیر
عمارت زندگانی کی ہے مشتِ خاک کی تعمیر

بہارِ حسن فطرت میں بقا ہی جلوہ گستر ہے
حیات افزا حقیقت میں خزاں کا رنگ مضطر ہے

بیاں میں آ نہیں سکتا عیاں جو رازِ قدرت ہے
کہ عقلِ نارسا منت کشِ چشمِ بصیرت ہے

جو چشمِ دل نہیں بینا تو حق سے آشنائی کیا
جو حظ کوشِ جہاں دل ہے تو لطفِ پارسائی کیا

کشاکش مرنے جینے کی ہے دلکش ماجرا اپنا
کہ مفہومِ جہاں خالص ہے اک چکر بنا سچ کا

شتابِ برق کی صورت فرارِ زندگانی ہے
گلوں پہ صورتِ شبنم بہارِ زندگانی ہے

ناقوسِ وفا

وطن پہ جاں نثاری کو میں تعلیمِ وفا سمجھا
فنا فی القوم ہونے ہی کو میں اصلِ لقا سمجھا
وطن کے درد کو اپنا دلِ درد آشنا سمجھا
پرائی آگ میں جلنے کو میں عقلِ رسا سمجھا

وطن کی یاد میں تکلیف کو لطفِ ازل سمجھا
خزاں کی پائمالی کو بہارِ بے بدل سمجھا

نہ کوئی جذبۂ ایثار کا ہو آشنا میرا
نہ ظاہر ہو کسی پر کاوشِ بے سوزِ وفا میرا
تلاشِ داد خواہی میں ہو نالہ بے صدا میرا
مدارِ راہِ طلب میں چارہ فرما ہو خدا میرا
حقیقت سربسر کھل جائے مجھ پر فضلِ یزداں سے
رہوں ممتاز عالم میں خلوصِ دل کے ساماں سے

بھٹکتا منزلِ مقصود سے ہے کارواں اپنا
نہ کوئی غم رہا اپنا نہ کوئی رازداں اپنا
حریفِ آشتی نکلے نہ کیوں دل [illegible]ِ زماں اپنا
کہ دم بھرتا حریفی کا ہے ہر اِک مہرباں اپنا
اگر ہم متحد رہتے زمانے کو دکھا دیتے
ترقی چیز کیا ہے ترق دنیا کو سکھا دیتے

نیرنگِ تمنّا

۱۱

میں اپنے جوہرِ ہمت کو پابندِ وفا کر لوں
زمانے کی کشاکش کو سدا وقفِ لقا کر لوں

مرا دل ہے جسے احساسِ تکلیفِ غریباں ہے
یہ وہ دل ہے کہ جس میں درد کی شمعِ فروزاں ہے

طلب ہمت کو کر اے دل تصوّر کی صدا آتی
فضاؤں سے گزرتی عرش سے کوئی ندا آتی

جہاں کی کشمکش کو دیکھ پیدا چشمِ بینا کر
رہے گی بے خودی کب تک خودی کا ہوش پیدا کر

کسے احساس ہے اپنے چمن کی رنگ و بُو کیا ہے
شفا کا آدمیت کا یہاں جام و سبُو کیا ہے

ملے درسِ عمل ہم کو وطن کے جانثاروں سے
ہمیں گلشن نظر آئے وطن کے خارزاروں سے

تخیّل کو تجسُّس کو، وفا کو جانثاری کو
میں دعوت دوں نشاطِ حُریت کا استواری کو

جہاں جنبش میں آجائے ہمارے گرم نالوں سے
صدائے حریّت رُکتی نہیں زنجیر، تالوں سے

یہ کہہ دو اُن سے جن کو اپنے سیم و زر پہ دعویٰ ہے

کہ اِس بے سود تدبیرِ ترقی گم جائے تو اچھا ہے

رہے پیشِ نظر تقلید دائم جاں نثاروں کی

طلب اِس دور میں اب ہے وطن کے ماہ پاروں کی

جو ہیں ثابت قدم اُن کو نہ ڈر ہے مرنے جینے کا

نہ طوفانی سمندر میں کوئی غم ہے سفینے کا

بنے جمعیتِ خاطر علامت شادمانی کی

الٰہی حاصلِ مقصد ہو ہمت زندگانی کی

جہانِ تیرہ میں خورشیدِ عالمتاب پیدا ہو

وفا کے طرز میں تخلیق ایسی برقِ سینا ہو

مرتے ہیں دن میں سو دفعہ آزار دیکھ کر

کیا کیا بپا زمانہ کے جور و ستم ہے سے
دِل خون ہوتا ہے مگر نادار دیکھ کر

دِل آشنا ہے روشِ آہ و فغاں سے
مزدور کو خوں گشتۂ آزار دیکھ کر

جوشِ تغیر کیوں نہ بڑھے اپنے الیش کو
اس دامِ مفلسی میں گرفتار دیکھ کر

بیچارہ وہ بندگی کا زمانہ نہیں رہا
جھکتے نہیں ہیں خوف سے زردار دیکھ کر

جب سے کیا مشاہدہ اپنی کتاب کا
لیتے ہیں درس آٹھ پہر انقلاب کا

آئیں جو لاکھوں کلفتیں تشویش کچھ نہیں
موقوف غم مگر ہے غم روزگار پر

خود ہی میں اپنے عالم گردش میں محو ہوں
گذری ہے جانتا ہوں جو کچھ قلب زار پر

ہم بھی چلیں گے چال زمانہ کی چال سے
موقوف ہے نہ گردش لیل و نہار پر

کب تک چلیں گی مفلسی کی آندھیاں بھلا
کب تک رکھیں گے سر کو ہم خنجر کی دھار پر
ہاں دیکھ یہ فرق چشمِ بصیرت ہے گر تجھے
سب کچھ عیاں ہے اس دلِ آئینہ دار پر
عائد تھا فرض، طرزِ وفا سیکھ لیا ہے
اک دل تھا وہ بھی دیش کو نذرانہ دیا ہے



تخیّل سے خطاب

دِل کو رازِ عشق سے ہم آشنا کرتے رہے
اپنے جسم و جان کو صرفِ وفا کرتے رہے
ہستیٔ جذبات کی نشو و نُما کرتے رہے
اس نئی تحریک کو وقفِ بقا کرتے رہے
منزلِ دِل میں اُمیدیں جلوہ گر ہوتی رہیں
کیف کے نغموں سے سازِ دل کو زمزمہ باقی رہیں

دِل ابھی تک تھا مرا نا آشنائے آرزو
فطرتِ جذبات سے اب تک نہ تھا میں روبرو
میں بنا تھا صورتِ تصویرِ حیرت ہُو بہو
تھا پر پرواز کو میرا تجسّس چار سو

جلوۂ تصویرِ فطرت نور برساتا رہا
آتشِ ذوقِ وفا کو اور بھڑکاتا رہا

جب کشاکش مذہب و ملّت کی رخصت ہو گئی
بہرہ ور مہر و وفا سے ساری خلقت ہو گئی
آشنا حُبِّ وطن سے جب طبیعت ہو گئی
جوہرِ رازِ نہاں کی وا حقیقت ہو گئی

میری ترکیب وفا آب تک تو محوِ خواب تھی
صورتِ عنقا رہی، اپنے فرض سے دلبستگی

جذبۂ ہمت ہے کافی سرفرازی کے لئے
کوششِ پیہم ہے لازم چارہ سازی کیلئے
شرط ہے نیرنگِ عشوہ جلوہ سازی کیلئے
چشمِ بینا چاہیئے منظر طرازی کیلئے

جذبۂ مہر و وفا ہے باعثِ لطفِ حیات
اس میں ہیں مستور اسرارِ لقائے کائنات

پھر تخیل جسم میں ہشیار ہونے کیلئے
پھونکتا ہے روح کو بیدار ہونے کیلئے

ولولے بیتاب ہیں اسرار ہونے کے لئے
مضطرب ہے چشم دل خونبار ہونے کے لئے

عالم تقریر میں اب اک نئی تاثیر دیکھ
اس چراغ کہنہ میں روشن ترین تنویر دیکھ

جوہر خون وفا رنگ چمن ہونے کو ہے
رشک خلد بریں باغ وطن ہونے کو ہے

دور سب پاکشف و خون رنج و محن ہونے کو ہے
آرزوئے دل بھی اب زیب سخن ہونے کو ہے

صورت برق تپاں ہے جستجوئے دل مری
ہو وطن آباد یہ ہے آرزوئے دل مری

نوائے بیداری

اگر دردِ وفا اس قوم کو کچھ یاد ہو جاتا
تو قیدِ پستیٔ فطرت سے دل آزاد ہو جاتا
عمل پیرا نہیں کوئی مگر ہر ایک کہتا ہے
اگر ہم متحد رہتے وطن آباد ہو جاتا

غرض مندی نے ہے اس شمع کو بے نور کر ڈالا
مرض بڑھتا گیا تو زخم کو ناسور کر ڈالا

بُرا ہوگا بہت گر سر اُٹھانے کی نہ جرأت کی
زمانہ کو نہیں حاجت ہے اب ایسی شرافت کی
وطن کی سعیٔ حاصل کا بہت تک یہ ممکن ہے
بکھر جائے گا شیرازہ اگر تھوڑی سی غفلت کی

کسی صورت میں پھر یہ درد اچھا ہو نہیں سکتا
سماں ایسا دوبارہ ہائے پیدا ہو نہیں سکتا

زماں بدلا مگر اپنی نہ ہم نے کچھ روش بدلی
تعجب ہے نہ چھوڑا ساتھ بیداری کا اب تک بھی

ابھی اہلِ جہاں کو واقفِ رُوداد ہونے دو
تمہیں ہر سو سے دیکھی ہے جھلک برقِ مسرّت کی
ہماری منزلِ مقصود کوسوں دُور ہے ہم سے
عروسِ دورِ بیداری ابھی مستور ہے ہم سے
نئے انداز میں جذبات کو آباد کرنا ہے
کہ ہر رنگِ درماں وقفِ دلِ ناشاد کرنا ہے
اٹھو اہلِ وفا دل میں تمہارے گر جمعیّت ہے
نیا رنگِ تمدّن قوم کا ایجاد کرنا ہے
کہاں تک بزدلی کا ہم یہ دامن تھام کر بیٹھیں
غنیمت ہے اگر ہاتھوں سے اپنے کام کر بیٹھیں

بہادر قوم کے اشکوں سے چہرے کو نہیں دھوتے
بہادر قوم کے آغوشِ غفلت میں نہیں سوتے
نہیں پروا، جنہیں جرأت - وفا سے معاملہ ہو گا
کبھی محروم وہ ہستی کے مقصد سے نہیں ہوتے
تڑپتی ہیں اُمنگیں صورتِ برقِ تپاں ہو کر
کسی دن رنگ لائیں گی یہ نیرنگِ زماں ہو کر

جیون کرتویہ

سوتنترتا کا مَن یہ میرا
دیکھ رہا ہے سُندر سپنا
اسکی چھب ہے پیاری پیاری
جس پہ موہت دُنیا ساری ،
وقت کو کھونا بھول ہے پیارے
یہ جیون انمول ہے پیارے

دُنیا کے سب کھیل ہیں نیارے
اپنی نیتیں کھول دے پیارے
ریت نئی ہم کر دیں جاری
جس پر چلیں گے سب نرناری
جیون میں یہ کام نبھائیں
جیون کا آدھار بنائیں
دیش کی اُنتی کو ٹھکرانا
مَن کی آشا کو کلپانا
کام نہیں یہ منشوں کا ہے
ایسا جینا سخت بُرا ہے

دیش کے ننھے بچو،
دیش کی بھگتی کرنا سیکھو
مرنا جینا کھیل اِک سمجھو
نام جگت میں رکھنا سیکھو
جیون کو اپنے تم گرماؤ
مرنا ہو جو تم مُسکاؤ
دیش کی خاطر جیون بہانا
اپنا جیون امر بنانا
بھگتی کا آکار یہی ہے
جیون کا آدھار یہی ہے

سوزِ وفا

طبع آزاد جکڑ جائے نہ زنجیروں سے
دل جرار نہیں ڈرتا ہے شمشیروں سے
ہے ابھی قلب میں ایثار کا جذبہ باقی
ہے ابھی حفظِ تعیّز کا تقاضا باقی
ہم نے کیا کیا نہ کیا اپنے چمن کی خاطر
یہ تعیّز ہیں یہ تحریکیں وطن کی خاطر

آج ہم ہو نے نہیں سب نے یہ اقرار کیا
انقلابیوں کی لغاؤں نے ہے بیدار کیا
ہم نے ہی خون بہا کے اُسے گلزار کیا
یہ وہ گلشن ہے جسے ہم نے ہی گلبار کیا
ہم نے کب اپنے فرائض کو نہیں یاد کیا
قطرہ خونِ وفا سے اُسے آباد کیا
مرا جذبہ، مرا ایمان، مری دُنیا تو ہے
اے مرے عشقِ وطن برقِ تمنا تو ہے

بہارِ کشمیر

پردۂ چشم میں کیونکہ نہ جگہ پائے گا

ہم کو تو جان سے پیارا ہے بہارِ کشمیر

اس کے پینے سے ہر اک پائیگا عمر جاوید

لے شیشہ امرت کی دھارا ہے بہارِ کشمیر

ایک عالم کو جو چمکاتا ہے مثلِ خورشید

دہر میں روشن ستارا ہے بہارِ کشمیر

اس سے والبتہ ہزاروں ہیں اُمیدیں ہم کو
قوم کی قسمت کا تارا ہے بہارِ کشمیر

قوم کی رگ رگ میں پنہاں ہے محبت اسکی
زیست کا اپنی سہارا ہے بہارِ کشمیر

دِل کی آواز یہ ہے اس میں تصنّع کیا
ہم ہیں اس کے یہ ہمارا ہے بہارِ کشمیر

جدّتِ علم کو کیونکر نہیں ایثار کرے
برقؔ کی آنکھ کا تارا ہے بہارِ کشمیر

دہقان

روئے بزمِ نو کا اے دہقان تو دیدار کر
ہستیِ خوابیدہ کو اپنی ذرا بیدار کر

ذوقِ آرائش سے دائم تو اگر ہے بے نیاز
پھر یہ منظر اہلِ دل کے واسطے ہے جاں گداز

صورتِ سیماب پہلو میں ہے ہر دم دل ترا
اس طرح دنیا میں جینا سخت ہے مشکل ترا

یہ غضب کیا ہے کہ تجھ کو جانتے ہیں بے وقار

تیرے ہی ہونے سے زندہ ہیں یہاں سرمایہ دار

عرق ریزی سے تری پاتے ہیں شہری سیم و زر

پر یہ حسرت ہے پڑی اجڑا ہوا ہے تیرا گھر

تیری نرمی نے تجھے اتنا کیا پامال ہے،

رنگِ مظلومی میں لعنت ہے کہ تو خوشحال ہے

کم نہیں قہرِ خدا سے قہر کی نظریں تری

ہے کیا تجھکو عطا ... نے تاجِ خودسری

جنبشِ ابرو سے تیرے انقلاب آجائیگا

ایک عالم تیری تحریکوں سے گھبرا جائے گا

تو کسی کے آسرے سے دن بسر کرتا نہیں

جھونپڑی میں تو کسی کے کرم سے رہتا نہیں

سُرخ رُو ہو گا یہاں اخلاص کی تاثیر سے

عقدۂ قسمت کھُلا دے ناخنِ تدبیر سے

پھینک دے محرومیٔ قسمت کا اپنی تو نقاب

تیرے حامی ہیں جہاں میں برق و مہر و ماہتاب



عالمِ تخیّل

نہیں محتاجِ تکمیلِ وفا جذبات ہیں دِل کے
ہم ہیں ہر رنگ میں دائم پرستارِ عشقِ کامِل کے

حیاتِ نَو ملی پژمردہ کلیوں کو گلستاں میں
نیا جذبہ، اُمنگیں ہیں نئی بیدار انساں میں

دیا درسِ وفا تازہ کیا حُبِّ وطن کو ہے
خزاں کی پائمالی سے بچایا اِس چمن کو ہے

قدم چومے رہا سہرا ترے سر کامرانی نے
رخِ زیبا دکھایا ہے نشاطِ جاودانی نے

زمیں بدلی، زماں بدلا تو تاریخِ کہن بدلی
ہما کا سایہ ہے تیرا کہ تقدیرِ وطن بدلی

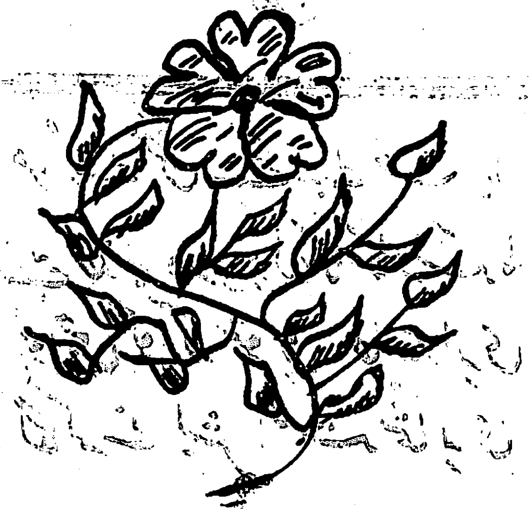
وطن کی رہبری کا داد کیا دیں وہ ہے لاثانی
تری اہلِ بصیرت کو ہے ہستی نورِ یزدانی

حقیقت کی سراسر سامنے تصویر آئی ہے
چراغِ کہن میں روشن ترین تنویر آئی ہے

تمنائے شبہ اہلِ وطن کی رنگ لائیگی
عروسِ شادمانی ہم کو آخر منہ دکھائیگی

میں دو جدت پرِ پرواز کو بارِ تخیّل کے
بتادوں دہر کو ہمراز میں افسانۂ دل کے
دلِ دردِ آشنا کو دہر کی کیا کیا ہے غمخواری
خلوصِ دل کا آئینہ ہے جذباتِ وفاداری
زمانہ راہبرِ صادق پہ دائم ناز کرتا ہے
سوئے چرخِ مسرت جانثار پرواز کرتا ہے
فضائیں کیف آور سازِ دل کے ہیں ترنّم سے
کہ جیسے جلوۂ گل ہے نظر افروز شبنم سے
کتنا کشہائے روز و شب سے تقدیرِ چمن بدلی
نئی تہذیب کے پرتو سے طرزِ انجمن بدلی

حیاتِ علم سے قائم ہے رنگینی مسرت کی
سخن دانوں کی منت کش ہے ہر محفل فضیلت کی
مساوات بترقی جبتک جزوِ انسانی نہیں ہوتی
حقیقی شاعروں کی کچھ قدر دانی نہیں ہوتی



مضمون نمبر ۴

قیمتی اپلا سنگ

مرا روئے سخن ہے بے محابا
ہے جذبہ دردِ دل کا کارفرما
ہوا جن کو کہ شوقِ خانداری
لگا کرتے لیشر اختر شماری

جبھی قسمت نے کی مشکل کشائی
نظر آنے لگی رنگیں خدائی
مٹا نقشہ پرانی زندگی کا
ہوا دلدار نے حد خانگی کا
عیاں پڑھنے لگا پھر نے طرح سے
نشاطِ دل ہوا صدقے جفا کے
ملا تمیا زہ عقلِ نارسا کا
ہوا کشتہ غم و حسرت جفا کا
ہر اک بیدل گرفتارِ بلا ہے
حقیقت نے کسی کی پر ملا ہے

ہے ہر سُو لشکرِ طفلاں جہاں میں
یہ منظر تھا نہ کچھ وہم و گماں میں
اسی غم سے سبھی زیرِ اثر ہیں
بڑی کُلفت ہیں ہوتے دِل بسر ہیں
نشاطِ دہر سے محرُوم ہوتے
تہی دستی سے وُہ مغمُوم ہوتے
ہو محدُود جس بشر کو آمدِ زر
بڑے کُنبے سے بد حالی ہے اکثر
روش اپنی بدلنی لازمی ہے
ہو مُفلس یا اگر کوئی غنی ہے

ہمّت مُشکل کُشا اپنی بنے گی
ذلالت بے بسی اِس سے مٹے گی
بدل ڈالو رِدِ اجابت کہن تم
مچے گی کارخ امراء میں تلاطم
نہیں فرسودہ ہے یہ انبیاء کا
کہ خلقت ہو ترین ہے تاثر یا
ہمیں کچھ غم نہیں ہے چارہ گر کا
عیالِ مختصر ہوگا بشر کا
بڑی زحمت ہے یہ رسموں کی لغزش
مٹانے کی کریں ہر کوئی کوشش

سپرِ خانہ تلے اب تک درگزر کی
نہیں تو آج حالت یہ نہ ہوتی
رکھیں جو حد میں ہم حیاداری
ہمیشہ ختم ہو گی آہ و زاری
وبالِ جان ہے عیالداری
یہ ہے خمیازہ غفلت شعاری
ہو دل میں جذبۂ احساس پیدا
کہ تا ہو مہر خوشحالی ہویدا

نہیں کچھ التجائے ناروا ہے — نہ شارع کے لیے وجہ لعنت سزا ہے
رکھو یہ فرض عاید ہے دوئین — سبھی بولو کہ کہنا یہ فقط آمین

احتیاج

فیملی پلاننگ

تغیّر تیز رنگِ زماں ہے
نشاطِ دل ہوا صرفِ فغاں ہے
نہ گر ہو خاتمہ رسمِ کہن کا
بکھر جائے گا شیرازہ وطن کا

ذرا سی بھول ہوتی جو بشر کو
تو خونِ دل کو پیتا عمر بھر کو
بشر کے واسطے یہ ہے حقیقت
عیالداری ہے اِک دامِ مصیبت
نہیں غم ہے اُسے ہے سیکدوشی
جسے ہر دم ہے فکرِ خورد و نوشی
کرے کیا پرورش نورِ نظر کی
ترو کانٹے ہے یہی غربت بشر کی
خطا ماضی کی بالکل بھول جاؤ
عیالداری سے اب دامن بچاؤ

غریب بے نوا حسرت سرا ہے
چراغِ عقل و دانش بجھ گیا ہے
یہی دِل میں ہے اس کے داغِ حسرت
نہیں زنہار دیکھی روئے ثروت
حیاتِ بے بہا ہے تذرِ آلام
مسرت کا رہا دائم تہی جام
عمل پیرا ہے جو عقلِ رسا کا
وہی حقدار ہے ذوقِ لقا کا
بڑا اپنا رسم بیجا اہلِ زر نے
نہ اِصلاح کی کِسی پر چارہ گر نے

وہ غم انگیز ہے عیب النداری
کہ جو ہے تشنۂ سرمایہ داری
غریبی بے شبہ قہرِ خدا ہے
کہ ہوتا گوشت سے ناخن جدا ہے
جو ہیں ناعاقبت اندیش اُمرا
کیا ہے رسم نو سے خونِ غربا
نہ کر بیجا ہوس کتنے بڑے کی
نہیں تو حشر زا دُنیا یہ ہوگی
زمانہ اور بھی بدلے گا کروٹ
ملے گا ایک ہی بیچے کا پرمٹ

رہا بے علم اب تک اِس سے انساں
بڑا تعجب ہے ہوتا دُشمنِ جاں
تخیّلِ برق کا ہے نذرِ تخریب
سخن دانی نہ ہے محتاجِ تشہیر



"غالب"

روضۂ فکرِ سخن میں جو بہار آئی ہے
دلِ شعرا پہ فراست کی فضا چھائی ہے
بزمِ علماء میں ہمیشہ سے پذیرائی ہے
مردِ حق بیں کو تعلیمِ وفا آئی ہے
شاعری کے گلِ رعنا پہ نکھار آیا ہے
قلب کی موجِ تمنا کو قرار آیا ہے

ہیں تصانیف میں اسرارِ فصاحت موجود

تیرے ہر شعر میں ہے ذوقِ بلاغت موجود

اہلِ دنیا کے دلوں میں ہے عقیدت موجود

ہے کلام بے بہا میں ترے جدّت موجود

منتہی آپ تھے اس میں ہے تصنع کیسا

شمعِ ذوقِ ادب کو ہے کیا منجلی

ہے سلاست کا وہ جوہر ترے دیوانوں میں

کر چکی ہلچل ہے دنیا کے زباں دانوں میں

زمزمۂ خاص ہے عالم کے سخندانوں میں

دیدہ و رنگینا ادب کے تھا گلستانوں میں

شاعری کے تیرے اسرار کو افشا کر لوں
اہلِ خامہ کو دقیقہ سے شناسا کر لوں

ہر رگِ جان نواؤں سے تری ہے مخمور
دلِ تاریک ہوا مہرِ سخن سے پُر نور

انحرافِ شاعری سے ہے سخنور معذور
ختم ہے تجھ پہ کہ آدابِ سخن کے دستور

آسمانِ شاعری کا مہرِ انور سمجھا
کب نہ عُلمائے جہاں نے تجھ کو برتر سمجھا

رہتی دُنیا تک سبھوں پر تیرا احساں ہو گا
کیسا پر سنا رہیں جذبۂ ایماں ہو گا

مائلِ وقفِ سخن جذبۂ انساں ہوگا

کاوشِ ذوقِ ادب حاصلِ ارماں ہوگا

کاشفِ رازِ سخن تیری تھی ہستی یکتا

یہ فقط سمجھا ہے تجھے شعر و سخن کا متوالا



آئینۂ لداخ

جذبۂ فطرت طرازی جبکہ وقفِ دل ہُوا

ہر قدم ذوقِ وفا کا صورتِ منزل ہُوا

یہ ملا کب کا اُٹھا ہے حسُنِ قدرت کا نقاب

یہ مناظر خِطّۂ لداخ کے ہیں لاجواب

قدرتِ حق منتظر ہے رنگ لانے کیلئے
دشمنوں کے جوڑے بارودوں کو بہانے کیلئے

پردۂ تصویر میں پنہاں ہیں اسرارِ زرمال
مال و زر کے ہیں دفینے تیرے سینے میں نہاں

کامرانی ہے جو لوگوں کی بسر اوقات ہے
جذبۂ کاوش دلوں میں موجزن دن رات ہے

کوششِ پیہم کبھی ہوگی نہ اُن کی رائیگاں
منزلِ مقصود پہ پہونچیگا بیشک کارواں

کرگل و لداخ و لیہہ کے فیضیاب ہیں سب مکیں
کیونکہ ہے آباد رشتوں سے نئے یہ سرزمیں

ہمس گومپا اور لوسر کے ہیں میلے بے نظیر
سب کی ہے ڈوبی ہوئی رنگِ عقیدت میں ضمیر

قومیت کے ایک ہی مرکز پہ ہیں آئے ہوئے
جلوہ گہ میں حسنِ یکجہتی کے اب رنگیں دیئے

خلد کی رعنائیاں سب جلوہ گہ ہونگیں یہاں
موجزن ہوگی رگِ جاں میں نشاطِ جاوداں

ایک عالم کی ہیں نظریں تجھ پہ للچائی ہوئی
جس طرح روحِ تمنا ہے کہ ترسائی ہوئی

پرتوِ حبِ وطن نے کیا اچھا کر دیا
تیرے ہر زخمِ دل کو چشمِ بینا کر دیا

جلوۂ اطفال

حیاتِ جاوداں وابستہ کیا ہے دل کے تاروں سے
یہ اُلجھن پر سُلجھتی ہے خدا کے رازداروں سے
ہے روشن تو نہالوں کے ہی جلووں سے کہ یہ عالم
کہاں ہوتا ہے منجلّی قمر، خورشید، تاروں سے
تصنّع سجا ہے یکسر کاخ و کاشانہ میں عالم کے
ہمیشہ خُلد سا منظر ہے رہنا ماہ پاروں سے

ہیں قاصر سب کہ ہونی پردۂ قسمت میں مخفی ہے
کسی کا مرتبہ ہونا بلند ہے تاجداروں سے
تغیر کی فضاؤں سے ہے جب نشو ونما ہوتی
بدل دیتے ہیں نقشہ سارے عالم کا اشاروں سے
ہمیں تو چاہیئے جذباتِ دلجوئی کو وسعت دیں
کنائی کا تشتی واجب نہیں ہے بے سہاروں سے
ندائے وقت ہے سمجھیں رموزِ خانہ داری ہم
لگے گی کشتیٔ عمرِ رواں بے شک کناروں سے
مسرت طائرِ دل کی ذرا اٹھکیلیاں لے گی
مہکنی سی ہوا آئے اگر ان لالہ زاروں سے

کھُلے گا رازِ حق تم پر حقیقت آشنا ہو کر
ملے گا دیدۂ باطن اگر پرہیزگاروں سے
خزاں دیدہ مُرادوں کے چمن ہوں گے نئے اکدم
رکھو گے واسطہ بے جا اگر سرمایہ داروں سے
ہمیں اے برق واجب ہے کریں بس ایک یاد دو پر
اگر دل کا کنول کھلنا ہے پھولوں کی بہاروں سے

جہیز یا موت کا سایہ

کشافِ زندگی ہوتی ہیں تحریریں مری دائم
کہ بنیادیں تغیّر کی رہیں گی اُن سے ہی قائم

ہیں افشا جذبۂ دل کو کرو ں گا بر ملا سب پر

دلِ درد آشنا میں ہی یہ رہتی ہے تڑپ اکثر

اسیرِ رسمِ بد ہو کر نہیں ملتی ہے خوشحالی

مٹے گی انقلابوں سے ہی پامالی و بدحالی

دلوں میں جا گزیں کر لیں اگر اِس وقت تحریکیں

یقیناً قوم کی اپنی بدل جائیں گی تقدیریں

کہاں سے مال و زر لائے گا بیچارہ غریب اتنا

طلبِ ناعاقبت اندیش کرتے ہیں اُسے جتنا

جو مرتد ہیں اُنہیں کیا اہنیں درس دینگے دین و ایماں کا

یہاں تو حضرتِ انساں لہو پیتا ہے انساں کا

ہزاروں عورتیں بے موت مر جاتی ہیں بیچاری
نکلنا ہی نہیں درماں کہ مہلک ہے یہ بیماری
دلِ مضطر میں صدرنگِ الم آگین کہانی ہے
اجل کے سائے میں رہ کر گذرتی زندگانی ہے
عدوئے قوم کی تصویر باطن گر جتانی ہے
بشر کی شکل میں ظاہر بلائے ناگہانی ہے
بڑے نیر ہیں زباں کے ہیں مگر دل کے یہ ہیں کالے
بڑے موذی، دروغ گو اور آفت کے ہیں پرکالے
جنونِ رسمِ بد کے دیو نے تم کو دبوچا ہے
خدا کے قہر کا ناداں کبھی کیا تو نے سوچا ہے

غریبوں کا نہ گر اے سنگدل احساس ہو جائے
تو ہر روزی کا دانہ صورتِ الماس ہو جائے

نہ دنیا لا کرے گا جذبۂ دل رنگ لائے گا
نئی دنیا، نئی رسمیں، نیا سب کچھ بنائیگا

نہ آجائے کبھی لغزش جوانانِ چمن تم کو
کہ رسمِ بد کو سمجھے ہیں مٹانے میں محسن ہم کو

جہیز نا روا سے ہی متاثر بے طرح دل ہے
نشاطِ زندگانی کی ہماری دور منزل ہے

لباسِ آدمیت میں نہ گر پیدا ہو انساں پر
نہیں تو برق گر جائیگی ظالم تیرے ایواں پر

کسی کی

یاد میں

وائے حسرت زندگی سے دل مرا بیزار ہے
باعثِ فرحت تھا جو اب موجبِ آزار ہے
دل لگی بھی میرے حق میں باعثِ آزار ہے
پھر بھی یہ عالم کہ جلوہ عشق کا بیدار ہے

ذرّہ ذرّہ اپنے گھر کا کاٹ کھاتا ہے مجھے
اپنی اِس حالت پہ ہاں افسوس آتا ہے مجھے

کون ہے جو دردِ الفت سے فغاں کرتا نہیں
کون ہے جو رازِ الفت کو نہاں کرتا نہیں
کون ہے جو شکوۂ دورِ زماں کرتا نہیں
کون ہے جو سوزِ دل اپنا عیاں کرتا نہیں
یہ سہی سب کچھ مگر تو ہے کہاں جانِ عزیز
زندگی میری ہے تو ہی اور ایمانِ عزیز
کس کے بحرِ عشق کا خمیازۂ ساحل ہوں
کس کے اب نیرنگِ حسن و عشق کا حاصل ہوں

کِس کے میں تیرِ نِگاہِ ناز سے گھائل بنوں
کِس کے انداز و ادا و ناز کا حاصِل بنوں

وائے قسمت گوشت سے ناخن جُدا ہونے لگا
دل کو میں چھیڑوں کہ خونِ مدعا ہونے لگا

اشتیاقِ دید میں اُس کے ہمیشہ یاد ہے
یاد کیا ہے زحمتِ فُرقت کی اِک فریاد ہے

میں ہُوں پابندِ وفا کہتا دلِ ناشاد ہے
پھر وہ اُن کی بے رُخی بیداد ہے بیداد ہے

بخت سویا ہے اُمنگیں دل کی سو سکتی نہیں
آرزو میں عشق کی کم ہو نہیں سکتی نہیں

ناگہاں بزمِ تصوّر میں مرے جب آ گئے
دوستداری کی حقیقت مجھ کو وہ سمجھا گئے
حسن کی نیرنگیاں کیا کیا مجھے دکھلا گئے
آتشِ اُلفت کو میرے اور وہ بھڑکا گئے
عشق کا جذبہ تھا گویا برقِ سینا کیلئے
یا نمایاں جلوہ تھا اِک چشمِ بینا کیلئے

بنسری والے سے

مجھے اے حسن فطرت کچھ بتا لطف جوانی دے
مرے جذبات پژمردہ کو آب زندگانی دے
یہ کب کہتا ہوں تو مجھ کو حیات جاودانی دے
مگر دو چار دن تو ہاں بہار شادمانی دے

کسی کی یاد میں میری طبیعت شاد ہو جائے
ہمیشہ دل کی بستی اس طرح آباد ہو جائے
حقیقی نور سے کس کے بھرا ہے دل کا کاشانہ
ہوا ہے آج کل رشکِ ارم یہ دل کا ویرانہ
بنا ہے عالمِ ایجاد بھی رشکِ نگارخانہ
سبھوں کا دل ہوا ہے عالمِ عشرت پہ پروانہ
یہ سب کچھ بنسی والے تیری ہی فطرت طرازی ہے
ترے رنگِ عقیدت سے ہماری سرفرازی ہے
دلوں کو شاد کرتے ہیں ترے رنگیں خیالوں سے
مسرت کھیلتی ہے تیری ہی اٹکھیلی چالوں سے

ہے روشن خانۂ دل تیرے جلووں کے اُجالوں سے
تری قدرت کا کب اظہار ہوگا فرش والوں سے

ہوائے شوقِ اُلفت ہے تری ہی چار سُو طاہر
تری وابستگی کے پھول سے ہے رنگ و بو ظاہر

ہمیشہ موہنی صورت تری آنکھوں میں بستی ہے
تصوّر سے اسی جلوے کے آئینہ بہ ہستی ہے

سیوں پر اک نئی چھائی ہوئی عشرت کی مستی ہے
ترے اقدس ترانوں سے ہمارا لطفِ ہستی ہے

کسی کے دل نشیں ہوگا مرا اک نغمۂ رنگیں
یہی ہو اضطرابِ دل کے حق میں باعثِ تسکیں

جہاں کے ذرّہ ذرّہ میں تمہارا نور پنہاں ہے
مگر چشمِ بصیرت ہے جنہیں اُن پر نمایاں ہے

ترا حُبِّ حقیقی جس کسی کو ہے وہ انساں ہے
جہاں میں مر کے اس کا ہے فقط مسکن باغِ رضواں ہے

مری حسرت کے دامن کو گُلِ مقصد سے بھر دے تو
رہوں معمُورِ اُلفت میں تری ایسا جگر دے تو

کنھیّا

کنھیا میرا دل ڈوبا ہوا ہے پریم میں تیرے
کہ تیری سانولی صورت ہے لبنی قلب میں میرے
ترے لطف و کرم سے سب نے پائی زندگانی ہے
ترے ہی فیض سے ملتا جہاں کو دانہ پانی ہے

تو ہی ہے مالکِ فردوس تو مالک جہاں کا ہے

تو ہی واقف جہاں والوں کے ہر رازِ نہاں کا ہے

سمجھ سکتا ہے کوئی کس طرح سے تیری قدرت کو

کوئی کیسے جان سکتا ہے تیرے اسرارِ حکمت کو

تری مرلی کی میٹھی تان سننے کی تمنا ہے

کستھبا منتظر جلوے کی تیرے ساری دنیا ہے

تمہاری یاد میں

نہیں میں انتہا پاتا پربھو جی تیری مایا کی
بھلا دی ہیں سبھی باتیں ترے جلووں نے کایا کی
تمہارے پریم میں دن رات دل سے آتش ہوتا ہے
ترے ہر ایک آنسو کو سدا ہیرو ہم مانتے ہیں

معابد اور مندر میں تمہارے گیت گاتے ہیں

ترے روزِ مبارک سے ہر اک حظ کوش ہوتا ہے

عجب رنگِ عقیدت میں نظر آتے ہیں ڈوبے سب

نہیں کچھ ہوش تن من کا فقط ہے پریم سے مطلب

ہمیشہ تیری پوجا کا دلوں کو ہوش ہوتا ہے

فضا میں چھینکتے ہیں گیت جب رنگیں ترانوں کے

کہ نغمے گونجتے ہیں ہر طرف ویدوں کے پرانوں کے

فلک بھی برق سننے کو ہمہ تن گوش ہوتا ہے

شیروشکر

سے

آ گیا لیکر ترا آنسو پیامِ انبساط

بزم پھر رنگیں ہوئی ہے دورِ جامِ انبساط

کیف آور ہے ہوائے اہتمامِ انبساط

جوش میں آیا ہے سازِ بربط و چنگ و رباب

یا جنون انگیز ہے ہر رنگ میں عہدِ شباب
فیض سے اس روز کے ہر خار بھی گلبار ہے
غیرتِ گلزارِ رضواں آج ہر دربار ہے
بادۂ اُلفت سے تیرے ہر کوئی سرشار ہے
جاذبِ دل ہے ہواہائے مسرت کی فضا
دیکھ کر پیر و جواں ہونے میں سب جیں پہ فدا
شادمانی کا سماں پیدا نرالا ہو گیا
جلوۂ رنگِ عقیدت سے دوبالا ہو گیا
ہر فنا کے دل میں تیرے دم سے اُجالا ہو گیا
رنگ شاعر کی طبیعت کا نمایاں دیکھئے
آشکارا دہر میں بہ فیض یزداں دیکھئے

بھگوان کرشن سے

آشنا تاب تصوّر ہے کہ کیا ہونے کو ہے
عالمِ جذبات تعبیر و فا ہونے کو ہے
ایک عالم تیرے جلووں پر فدا ہونے کو ہے
ذوقِ تخلیقِ محبت جانفزا ہونے کو ہے

عشق کی شمع جلا دُوں پھر نئے انداز میں
اور کچھ رنگین لے پیدا کروں اِک ساز میں

درسِ وحدت کو نئے سر سے دیا تُو نے ثبات
فلسفۂ رنگِ عقیدت کو نئی بخشی حیات

اُس پہ جس نے چشمِ بینا سے کبھی تیری ذات
عقدۂ فطرت کھُلا یعنی کھُلا رازِ حیات

فلسفۂ رُوحانیت وقفِ جگر باقی رہا
تیری گینا کا مگر اب تک اثر باقی رہا

آرزُوئے دید نے ہم کو ستایا نہ کبھی
دِل سے جلوہ کہ ترا ہم نے بھُلایا نہ کبھی

دل میں شمعِ عقیدت کو بجھایا نہ کبھی
اس کی تابانی کو دُنیا نے گھٹایا نہ کبھی

فطرتِ انساں میں پنہاں ہے یہ رازِ زندگی
پردۂ دِل میں کہ میں سُنتا ہُوں سازِ زندگی

ہستیٔ دُنیائے فانی ایک رنگیں خواب ہے
دیکھنے میں یہ اگر اِک جلوۂ نایاب ہے

پھر کسی کی یاد میں مرا یہ دِل بیتاب ہے
پھر شعاعِ برقِ اُلفت رُوکشِ مہتاب ہے

پھر نئے انداز میں نغمہ سرا ہوتا ہوں میں
یا فضاؤں میں ترا الفاظ کو بہا کرتا ہُوں میں

پرم شیو سے

کیا کہوں تم سے کہ کیا ہے آرزوئے دل مری
جس کا جویا ہوں کرے آسان وہ مشکل مری
صاحبِ دل ہی تجھے پہچان سکتے ہیں یہاں
بندۂ دنیا سے رہتا ہے ہمیشہ تو نہاں

ہاں مگر دُنیا سے پنہاں نُور اک ایسا نُور ہے
گیان کی آنکھوں سے جو ہرگز نہیں مستور ہے

گیان کی آنکھیں ملی ہیں عارفانِ دہر کو
آبِ حیواں وہ سمجھتے ہیں حصولِ زہر کو

حق و باطل کی حقیقت کھُل گئی اُن پر ہے سب
طالبِ حق ہیں نہیں کچھ اور ہے اُن کی طلب

گیان کے عالم میں پاتے ہیں نشانِ زندگی
دہر کو سمجھے ہوئے ہیں امتحانِ زندگی

ہے پرے ادراک کی سرحد سے وہ نورِ ازل کا نُور
محویت سے ہی دلِ بے لوث میں ہوگا ظہور

تجھ کو پاؤں کس طرح کیا رنگ ہے کیا شکل ہے
تجھ کو کن آنکھوں سے دیکھوں اس میں جیراں عقل ہے

کیا کسی مسجد میں جا کر شاد اپنا من کروں
یا کسی مندر کے بُت کو دیکھ کر درشن کروں

ذرہ ناچیز عالم کو ہی ایشور جان کر
پوجتے ہیں تیرہ دل ساکن تجھے وہ جان کر

کیا تیری تقسیم سنو حصوں میں سچ مچ ہو گئی
کیا تیرے ہاتھوں سے بالکل تیری قدرت کھو گئی

تیرہ باطن سر و د پاپک کو نہیں ہیں جانتے
اپنے ہاتھوں سے بنائی شکل کو پرم ہم مانتے

لازمی ہے جہل کا دِیا بجھانا چاہیئے

پردۂ وہم و گماں دِل سے ہٹانا چاہیئے

چشمِ باطن تب کھُلے گی رحمتِ یزداں سے

ہو گی طے تب منزلِ لاقائیتِ انساں سے

ہے مرا مسلک کہ ہم دِل کو بنائیں جلوہ گاہ

مسجد و مندر سے بہتر دہر کی ہے سجدہ گاہ

سجدہ گاہِ حق یہی ہے حاصلِ نیرنگِ حق

گر بظاہر ہے نمایاں پر ہے پنہاں رنگِ حق

جس کی خوش فطرت پہ لیکن رنگ اس کا چڑھ گیا

جیتے جی اس کو یقیناً برہم کا رستہ مِلا

اس قدر لکھنے پہ بھی تعبیر آدھی رہ گئی

برقؔ کے اس خواب کی تعبیر آدھی رہ گئی

حقیقتِ حیات

حق و باطل کو ہیں جانتے کیا ہوتا ہے
رازِ قدرت کا ہر اِک اُس پہ کُھلا ہوتا ہے
دُور کیوں ڈھونڈیں جگہ اُن کی ہے اپنے دل میں
بس اسی گھر میں مرے نُورِ خُدا ہوتا ہے

تری جھلکی سے ہیں عالم کے مصائب مٹتے
تیری ہی یاد سے دنیا کا بھلا ہوتا ہے

سر و پا پاک ہے جو تو اسمیں تذبذب کیسا
چشم حق بین کو ذرے میں خدا ہوتا ہے

ایک جلوہ ہی ہے سامان حیات عالم
بس اسی کے معجزے سے کیا سے کیا ہوتا ہے

دل کو دل یا اسے آئینۂ قدرت کہیے
وہی حظ کوش ہے جو مرد خدا ہوتا ہے

بے طلب دہر میں اے برق کسے ملتا ہے
چشم بینا سے ہی دیدار خدا ہوتا ہے

بھگوان رام

سے

دلِ میں جذبہ عشق کا جب جاگزیں ہو جائیگا
یہ جہاں پھر رشکِ خلدِ بریں ہو جائیگا
دیدۂ باطن کھلے گا خوش نصیبی سے جسے
جامِ سم میں بھی مزا آتا ہے امرت کا اُسے

جذبۂ رُوحانیت ہوگا مرے وقفِ جگر
دل کے آئینہ میں جلوہ اُس کا آئیگا نظر
عُقدۂ فطرت کھلے گا جذبۂ باطن سے مرے
دل کے بُت خانہ میں ہوں گے گیان روشن دیئے
ہر گھڑی پیشِ نظر ہے خلد سا منظر مجھے
درسِ وحدت دے رہے ہیں مہر و مہ اختر مجھے
چپہ چپہ باغِ عالم کا ہے تیرا جلوہ زار
اشتیاقِ دید میں دل ہے مرا سیماب دار
آپکا جلوہ دکھا دیتی ہے وحدت کی نگاہ
اور دُوئی یکسر بھلا دیتی ہے وحدت کی نگاہ

ہر رنگِ جاں میں بسا رہتا ہے جلوہ رام کا

دِل کے مندر کو جلا دیتا ہے جلوہ رام کا

دِل میں تُو ہے دِل سے سب کا ہے قرارِ زندگی

تیرے ہی دم سے یہ قائم ہے بہارِ زندگی

دِل بھی اِک آئینہ قدرت ہے سمجھا چاہیئے

ہاں مگر عقلِ رسا اور چشم بینا چاہیئے

منزلِ جاوید ملتی ہے تمہارے نام سے

چشمِ دِل روشن ہوئی برقِ جمالِ رام سے

نوائے وحدت

مرے ہی گھر میں مکیں تھا مجھے معلوم نہ تھا
میں جہاں تھا وہ وہیں تھا مجھے معلوم نہ تھا

آنکھ نم رہتی تھی دائم جس کی فرقت میں مری
وہ قریں سے بھی قریں تھا مجھے معلوم نہ تھا

دلِ ناداں کو تقاضا تھا حسینوں کا مگر
میں حسینوں سے حسیں تھا مجھے معلوم نہ تھا

میں طلبگار تھا جنّت کا مگر دُنیا کا
ہر ذرّہ خُلدِ بریں تھا یہ مجھے معلوم نہ تھا

میں نے سمجھا تھا کہ مُعبد میں قیام اُن کا ہے
پر وہاں بالکل نہیں تھا یہ مجھے معلوم نہ تھا

مجھ کو جنّت میں گُماں تھا کہ ملیگا لیکن
جلوہ افگن بر زمیں تھا یہ مجھے معلوم نہ تھا

سات چرخوں سے پرے ہم نے سُنا تھا ہے خُدا
وہ حقیقت میں یہیں تھا یہ مجھے معلوم نہ تھا

برق ڈھونڈا نہ مِلا دشت و جبل میں پر وہ
میرے ہی دِل میں مکیں تھا یہ مجھے معلوم نہ تھا